آئینہ
شِرک و بدعت

ملفوظات

حضرت سیّد عبدالحفیظ شاہؒ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب _____ آئینہ شرک و بدعت

ملفوظات _____ حضرت سیّد عبدالحفیظ شاہؒ

معاونت _____ ڈاکٹر عابد احمد شیخ

طبع اوّل _____ جنوری 1988ء

طبع دوئم _____ دسمبر 2008ء

تعداد _____ 1000

سعی و اہتمام _____ پرویز عالم سبزواری صاحب

ہدیہ _____ 40 روپے

ناشر _____ الحفیظ ذاکرین تنظیم

درگاہ حضرت سخی سیّد عبدالحفیظ شاہؒ

نزد مریم گارڈن کوٹری ضلع جامشورو سندھ

گذارش: ادارہ پہلے تمام کتب مفت تقسیم کرتا تھا۔ موجودہ مالی حالات کے پیش نظر آپ سے التماس ہے کہ کتاب خرید فرمائیں تا کہ نشر و اشاعت کا کام جاری رہے۔ شکریہ

دُعا

یا اللہ! یہ تیرا ناچیز بندہ تیری تمام تر حمد وثناء کے صدقے اور تیرے حبیب سرکارِ دو عالم ﷺ پر لاکھوں درود وسلام کے ساتھ التجا کرتا ہے کہ ہم مسلمانوں سے افتراق کے عذاب کو دور فرمادے نیز ہم مسلمانوں میں بھائی چارے اور محبت کی فضا جیسی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تھی، قائم و دائم فرمادے تاکہ ہم تیرے دین پر عمل پیرا ہوکر دونوں جہانوں کی سعادتیں حاصل کرسکیں۔

یا اللہ! ہماری خطاؤں اور لغزشوں کو اپنی رحمتِ کاملہ کے صدقے معاف فرمادے اور ہم کمزور ناتوانوں سے درگزر فرما کیونکہ معاف کرنا تیری صِفت ہے اور تیری شان نہایت کریم ہے۔ تو ہم سب پر اپنا فضل وکرم فرما۔ اس پُر آشوب دور میں ہمارے قلوب سے ہر ناحق کو دور فرمادے اور حق سے ہم سب کو سرفراز فرما اور اپنے دامنِ رحمت میں پناہ دے۔

اے میرے خالقِ اکبر! تو ''اِنـہٗ عَلِیۡمٌ بِذَاتِ الصّدُوۡر ہے، آنے والے خیالات سے

واقف، تو جانتا ہے کہ میری انتہائی کوشش، مسلمانوں کو یکجا کرکے، تیرے محبوب سرکار دو عالم ﷺ کی احیاءِ سنت اور تیرا حکم کہ "ہم سب مِل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑیں اور آپس میں تفریق پیدا نہ ہونے دیں"، اس بات کے پیش نظر فروعی مسائل پر میں نے جو کچھ اپنے علم، یقین، اور مشاہدات کی بنیاد پر حل کرنے کی کوشش کی ہے ا۔ اور حقائق کا انکشاف کتاب وسنت کی روشنی میں کیا ہے، تا کہ مسلمان آپس میں اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرسکیں، افہام وتفہیم اپنا شعار بنائیں، فساد فی الارض کو تا بحدامکان روکنے کی کوشش کریں جو کہ عین منشائے الٰہی ہے۔

میں انسان ہوں۔ خطاو نسیاں سے مبرا نہیں۔ مجھے خوشی ہوگی کہ میرے قاری میری کسی بھی غلطی کی نشان دہی کرکے اپنا حق ضرور استعمال کریں گے۔

آخر میں، میں صمیم قلب سے دست بدعا ہوں کہ، اے اللہ ! میری اس ناچیز کوشش کو درجہ قبولیت عطاء فرما، اور مسلمانوں کو آپس میں محبت، اتفاق، اتحاد سے رہنے کی صلاحیت عطاء فرمائے۔

یااللہ! تو **غَفُورالرَّحِیم** ہے، **سَتَارُالْعُیُوب** ہے، توبہ کے دروازے بندوں کے لیے ہمیشہ کھلے ہوئے ہیں، ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے اور ہمیں سچے مسلمان بننے کی توفیق عطا فرما۔ وآخر دعوانا انا الحمدللہ رب العلین

یارِبّ کریم! اس کتاب کی اِشاعت میں جن لوگوں نے دامِ درہم قدمِ سخنِ مدد فرمائی ہے ان کی جائز تمنائیں اور حاجتیں پوری فرما۔ آخر میں، میں صمیمِ قلب سے دَست بدعا ہوں

کہ، اے اللہ! میری اس ناچیز کوشش کو درجہ قبولیت عطا فرما، اور مسلمانوں کو آپس میں محبت، اتفاق، اتحاد سے رہنے کی صلاحیت عطا فرما۔ (آمین)

تو غفور الرحیم ہے۔ ستار العیوب ہے۔ توبہ کے دروازے بندوں کے لئے ہمیشہ کھلے ہوئے ہیں۔ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ اور ہمیں سچے مسلمان بننے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سید عبدالحفیظ شاہ

پیش لفظ

نہ میرے قلم میں یہ طاقت ہے نہ زبان میں یہ قدرت کہ رب تعالیٰ کی تعریف و توصیف اور رحمت اللعالمین سرکارِ دعالم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کما حقہ ضبط تحریر کرسکوں۔ یہ میرے رب کی عنایت اور فضلِ بے پایاں ہے کہ اس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی کہ جو مسائل افراط و تفریط کے سبب مسلمانوں میں وجہ نزاع ہیں، میں مسلمانوں تک ان کا معقول حل پیش کروں۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ اس سعی کو مقبول و قبول فرمائے۔

ہم سب کا رب ایک، رسولؐ ایک، قرآن حکیم ایک، پھر ہم مسلمانوں میں یہ تفرقہ بازی کیوں؟ امن و سلامتی کے گہواروں میں جن کو مساجد کہا جاتا ہے اور وہ اللہ کے گھر سے منسوب ہیں وہاں

کشت وخون کیا معنی رکھتا ہے؟ مساجد میں فسادات کی خبریں سُن کر میں بے تاب ہوجاتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہم سب مِل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔

آج کا مسلمان اپنا وقار، اپنی عزّت وناموس گنوا بیٹھا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بُعد، مادیت میں جکڑا ہوا، نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کے مصداق بے عملی کی زندگی سے حیران و پریشان تباہی اور بربادی کی طرف چلا جارہا ہے۔ کوئی ہے؟ جوان گم گشتہ راہ مسلمانوں کو منزل کی نشاندہی کرکے اس کی طرف لے چلے۔ میں اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے صاحبانِ علم وفہم سے درخواست کروں گا کہ مجھے اپنی تنقید وتبصرے سے ضرور نوازیں اِس لیے کہ بحیثیت ایک اِنسان خطاونسیان سے میں بالاتر نہیں۔

دعائے خیر کا طالب

سید عبدالحفیظ شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مندرجات

دُعا

تاثرات

تعارف کتاب

باب اوّل: حقیقت شرک

توحید

ایمان اور ضروریاتِ دین

رسالت ونبوت کے متعلق عقائد کی تشریح

بزرگانِ دین

قضا کے فیصلے

مشرکین عرب کے عقائد

چند آیات کی تفسیر وتعلیم مع شانِ نزول

آیات متعلقہ شرک فی العلم اور شرک فی التصّرف۔(آیات متعلقہ شرک فی العبادات)

باب دوم: تعریف بدعت

نیاز ونذر، سوئم، چہلم، ایصالِ ثواب

زیارت قبور

وسیلہ واسطہ سے دعا یا مدد

میلاد شریف

مسئلہ قیام

صلواۃ وسلام

باب سوم: مختلف سوالات اوران کے جوبات

سوال نمبر 1: ہم مسلمانوں میں اختلافات کیوں؟ کوئی شخص نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتا ہے کوئی ناف پر اور کوئی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتا ہے۔ اثنائے عشری حضرات کی اذان بھی مختلف ہے؟ اور سب کے پاس ایسا کرنے کے دلائل بھی موجود ہیں ایسا کیوں؟

سوال نمبر 2: آج کے ترقی یافتہ معاشرے میں رہن سہن اور لباس کی یکسانیت میں کس طرح سے مُسلم اور غیر مُسلم میں تمیز کی جاسکتی ہے؟

سوال نمبر 3: دنیاوی زندگی کو نبھاتے ہوئے دینی زندگی کے تقاضے کس طرح پورے کئے جاسکتے ہیں۔ جبکہ اس پُر آشوب دور میں کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیا اور دین علیٰحدہ ہیں۔ آج کل کے اسلامی ممالک عہد رِسالت اور عہد خلافت جیسے دور کی عکاسی کرنے سے قاصر کیوں ہیں؟

سوال نمبر 4: موت کی حالت میں جب روح جسم سے جُدا ہوتی ہے اس وقت کی شدّتِ تکلیف حدیث پاک میں مذکور ہے اور حضور ﷺ کا ارشاد کہ نیند موت کی بہن ہے۔ اس مد میں رُوح جسم سے بار بار جدا ہوتی ہے تو اس وقت ہم تکلیف کیوں نہیں محسوس

کرتے؟

سوال نمبر5: آپ نے اپنی تحریر میں فرمایا ہے جو نماز قصداً چھوڑتا ہے وہ حدّ کفر تک پہنچ جاتا ہے کجا کہ اس کا ولی ہونا لیکن ایسے بھی اللہ والے گزرے ہیں جن کے کلام میں ایسی باتیں بھی ملتی ہیں جو بظاہر واقعی قابل گرفت ہیں لیکن اگر باریک بینی سے دیکھا جائے تو ان باتوں میں حقیقت نظر آتی ہے۔ ان بزرگوں میں حضرت باہوؒ، حضرت بلھے شاہؒ، حضرت خواجہ غلام فریدؒ، حضرت سچّل سرمستؒ، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگ آجاتے ہیں ان حضرات کے کچھ اشعار پیش خدمت ہیں اس سلسلے میں وضاحت فرمائیں گے تو احسان مند رہوں گا؟

سول نمبر6: اسلام تین باتوں پر مشتمل ہے۔

(۱) اخلاقیات (۲) معاملات (۳) عبادات

انکو تو سقراط، بقراط اور ارسطو جیسے دانشوروں نے بھی پیش کیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے صرف مہر لگادی؟

سوال نمبر7: مقصد خالق سے رابطہ پیدا کرنا ہے۔ رکوع وسجود ضروری نہیں، چاہے ساز بجا کر رابطہ قائم کیا جائے؟

سول نمبر8: قرآنِ حکیم میں پانچ وقت نماز دکھائیں؟

سوال نمبر9: کمیونزم اور سوشلزم انسانوں کی ترجمانی کرتے ہیں جس طرح روس اور چین۔

سوال نمبر10: ہر مذہب برائی سے روکتا ہے اور اچھائی کی تلقین کرتا ہے۔

اسلام میں مزید خصوصیات ہیں تو بتائیں؟

سوال نمبر 11: سب قوموں کے امیر موجود ہیں مثلاً یہودی اور عیسائی قوموں کے پادری اور پوپ، اسلام میں امیر موجود نہیں اور امیر کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں؟

باب اوّل: حقیقت شرک

(۱) توحید:

(۲) ایمان اور ضرورت دین

(۳) رسالت ونبوت کے متعلق عقائد کی تشریح

بزگانِ دین

سورۃ اخلاص میں رب تعالیٰ خود اپنا تعارف فرماتے ہیں۔ شانِ نزول اس کی یہ ہے کہ قریش کے ایک گروہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہا۔ اس خدا کی صِفت بیان کرو جس کی عبادت کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو کیونکہ ہم نے توریت میں اس کی صِفت لکھی دیکھی ہے۔ تو یہ سورۃ نازل ہوئی۔ فرمایا

قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌo اَللّٰهُ الصَّمَدُ o لَمْ يَلِدْ ج وَلَمْ يُوْلَدْ o

وَلَمْ يَكُنْ الَّهٗ كُفُوًا اَحَدُ o

ترجمہ آیت (۱): کہو! (اے محمد ﷺ اس سے جو خدا کے متعلق دریافت کرتا ہے) وہ اللہ ایک ہے!

تشریح: ایک ذات میں متوحد صفات میں منفرد، اب "اللہ" کس لفظ سے نکلا ہے۔ اس میں اہلِ لفظ کا اختلاف ہے مگر ایک گروہ کثیر کا خیال ہے کہ یہ "وَلَه" سے نکلا ہے اور وَلَهٗ کے اصل معنی عربی میں اس غم، محبت اور تعلق خاطر کے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے اسی سے مطلق عشق ومحبت کے معنی پیدا ہوئے کہ کلمہ "ھُو" عاشقوں کا حصہ ہے اور اسی سے اردو زبان میں والہہ (شیدا) مستعمل ہے۔ اس لیے اللہ کے معنی محبوب پیارے کے ہیں۔ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی اللہ کا ترجمہ ''من موہن'' یعنی ''دلوں کا محبوب'' کرتے ہیں۔ یہ خصوصیت ہے اس نام کی کہ اللہ کا اگر الف نکال دیں تو لِلّٰہ رہ جاتا ہے اگر ایک "لام" نکال دیں تو لَہٗ رہ جاتا ہے اور اخیر لام بھی نکال دیں تو "ھُو" رہ جاتا ہے اور یہ سب اس کی طرف ضمیر اشارہ ہیں۔

ترجمہ آیت (۲) : اللہ بے نیاز ہے سب سے۔

تشریح: اور وہ نیازمندوں کی پناہ ہے اسکی کوئی مثال نہیں اور اس کی کیفیت پر اطلاع پانے سے عقلیں ناقِص ہیں۔

ترجمہ آیت (۳): نہ اس کی کوئی اولاد

(یہ یہود کا ردّ ہے وہ کہتے ہیں حضرت عُزیر علیہ السّلام اللہ کے بیٹے ہیں)

اور وہ نہ کسی سے پیدا ہوا۔

(یہ نصاریٰ کا ردّ ہے وہ کہتے ہیں عیسیٰ ابن مریم خدا ہیں)

ترجمہ آیت (۴): اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔

(اس کا کوئی ہم جنس نہیں یہ مجوس اور عرب کے مشرکوں کا ردّ ہے کیونکہ انہوں نے معاذ اللہ اہرمن اور بتوں کو برابر اور ہمسر کیا۔

سو اللہ نے **اَحَد** فرما کر اپنی ذات سے عدد اور کثرت کی نفی کی اور **صَمَد** فرما کر اپنی بے نیازی اور بے احتیاجی کا اظہار فرمایا۔ اور **لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَد** فرما کر اپنے سے ماہیت میں متماثل یا قوت اور رتبہ میں برابری کرنے والے وجود کی نفی کی جیسے ولد یعنی بیٹا یا پھر باپ، اور **وَلَم یَکُن لّٰہ کفوًا اَحَد** فرما کر اشکال اور اضدار کی نفی کی۔ اسی جہت سے اِسے سورۃ اِخلاص کہتے ہیں۔ اس سبب سے کسی دوسرے وجود کی مِثل ہونے کی نفی اور قوت میں برابری کرنیوالے وجود کی نفی سے توحید تصوّر ہوئی اور توحید کے چار درجے ہیں۔

پہلا درجہ توحید:

اللہ تعالیٰ ہی واجب الوجود یعنی وہی قائم بالذّات ہے۔ تمام موجودات اسی سے ممکن ہیں، ایک لمحے کو وہ اپنی توجہ یا نظر ہٹالے تو کائنات فنا ہوجائے اس کے وجود کو کوئی فنا نہیں۔

سورۃ رحمٰن آیت ۲۶، ۲۷ میں ارشاد ہے، (ترجمہ معہ تفسیر حسینی)

> ''جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکت) جو صاحب جلال و عظمت ہے باقی رہیگی''۔

دوسرا درجہ توحید:

تمام جواہر کا خالق کُل صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے دوسرا کوئی نہیں۔

توحید کے اِن دو درجوں سے نہ تو عرب کے مشرکین مخالف تھے نہ یہود و نصاریٰ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے۔

ترجمہ: اور گر تم اِن مشرکین سے پوچھو آسمان اور زمین کس نے بنائے تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ (سورۃ الزمر آیت ۳۸)

تیسرا درجہ توحید:

آسمان اور زمین میں اور جو کچھ اِن دونوں کے درمیان ہے انکا مدّبر حقیقی (منتظم حقیقی) صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: یہ (خدائے) غالب اور دانا کا (مقّرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔
(سورۃ یٰس آیت ۳۸)

چوتھا درجہ توحید:

سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ترجمہ: اور میں نے جنّوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (سورۃ الذّریٰت آیت ۵۶)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ توحید کے چاروں درجات پر ایمان لایا جائے لیکن توحید کے درجہ سوئم اور چہارم میں لوگوں نے اختلاف کیا اور تین بڑے فرقے وجود میں آئے۔

نمبر ا : ستارہ پرست :

ستارہ پرستوں نے استدلال کیا کہ حوادثِ انسانی میں ستاروں کو بڑا دخل ہے سو اُن کی پرستش کرنیوالوں سے وہ غافل نہیں رہتے اسی استدلال پر انہوں نے ستاروں کے نام پر معابد بنائے۔ یعنی اپنی عقل کے مطابق انہوں نے اصنام تراشے اور اللہ کے منتظم حقیقی ہونے سے انکار کیا۔

نمبر۲ : مشرکین :

یہ توحید کے درجہ اول اور درجہ دوئم میں تو مسلمانوں کے ساتھ رہے لیکن دیگر تمام امور میں وہ متفق نہیں۔ وہ اس طرف چلے گئے کہ کچھ نیک بندوں کو خوب عبادت کی وجہ سے اللہ نے درجہ الوہیت عطا فرما دیا ہے۔ سو وہ اس امر کے مستحق ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ اور اس عقیدے پر قائم ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس وقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک ان کے اصنام کی بھی پرستش شامل نہ کی جائے اور یہ اپنے پجاریوں کی شفاعت بھی کرتے ہیں۔ تو اِن اصنام کو انہوں نے اپنا قبلہ بنایا اور پھر بعد والوں نے انہیں بعینہ معبود سمجھ لیا۔ سو رب تعالیٰ نے فرمایا۔

> ترجمہ: اور یہ (مشرکین) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکیں نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں تم ان سے فرماؤ کیا اللہ کو ایسی چیز بتاتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں۔ اسے پاکی اور برتری ہے اِن کے شرک سے۔ (سورۃ یونس آیت ۱۰)

قرآنِ حکیم نے صریحاً ان بنائے ہوئے اصنام اور راستوں کو رد کیا ہے اور فرمایا کہ یہ اصنام

صرف جمادات ہیں کسی طرح تمہیں نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مدّ برحقیقی، مختارِ کُل اور نفع یا نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہی مسبب الاسباب ہے۔ جب ان کے متعلق کوئی اللہ کی طرف سے اذن نہیں اور نہ ہی ان بتوں کو اللہ کی جناب میں کچھ عظمت و بزرگی ہے تو یہ کس طرح سفارشی ہو سکتے ہیں۔ سو کوئی بھی اللہ کے سِوا کسی کو معبود تصور کرتے ہوئے اگر چہ کہ بطورِ وسیلہ ہی گردانتا ہو مشرک ہے۔

نمبر۳ : یہود و نصاریٰ: اس گروہ **کے مذہب** میں مسیح علیہ صلوٰۃ وسلام کو عبد کہنا سوئے ادب کے خلاف ہے، وہ ابن اللہ ہیں، بعض نصاریٰ نے کہا جب رب تعالیٰ نے مسیحؑ کے اندر حلول کیا ہے تو ان سے آثار عجیبہ صادر ہوئے۔ مثلاً

انہوں نے پرندوں کو زندہ کیا۔

پرندوں کو زندہ کر کے اڑا دیا۔

کوڑھیوں کو اچھا کیا۔

مادرِزاد اندھوں کو بینا کیا۔

سو ان کی عبادت بعینہٖ خدا کی عبادت ہے۔ یہی حال یہود کا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح معرفت کے لیے سیّدنا محمد ﷺ کو بھیجا اور آپ نے واحدانیت و رسالت کو خوب خوب واضح فرمایا۔

برخلاف ان تمام عقائد کے مومن تمام معبودوں کا انکار کر کے ایک اللہ پر ایمان لاتا ہے اس طرح توحید کے چاروں درجات کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کا اقرار کر کے ان کی اطاعت کا طلبگار رہتا ہے اور اس کا ایمان بعینہٖ قرآن وسیلہ

اور واسطہ پر اس طرح ہے کہ کائنات کا مالک وخالق وہی رب ہے اور اللہ ہی کے بتائے ہوئے وسائل اس کی رحمت کے مستحق ہونے کا سبب ہیں۔ سو اس طرف آنے کے لیے ربِ تعالیٰ نے ترغیب فرمائی کہ

وَ ابْتَغُو آ اِلَیهِ الْوَسِیْلَۃَ ...... (الخ)

ترجمہ: اے ایمان والوں خدا سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس اُمید پر کہ فلاح پاؤ۔ (سورۃ المائدۃ آیت ۳۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فلاح کو چار چیزوں سے منسوب فرمایا ہے۔ پہلا درستگی ایمان کہ اس کے نور سے شرک کی تاریکیوں سے خلاصی ہوتی ہے، دوسرا تقویٰ کہ اس سے گناہ کی ظلمت سے نجات ملتی ہے تیسرا وسیلہ کہ **ویزکیھم** کی تفسیر حاصل ہوتی ہے انفاس خالص ہوتے ہیں، اور چوتھا جہاد کہ اس راہ میں دونوں اعدائے ظاہری اور باطنی سے کہ اس سے مسلمان کے دل سے ہر چیز ماسوائے اللہ کے محو ہو جاتی ہے۔

احکامِ الٰہی قرآنِ پاک میں مختلف عنوان سے بیان کئے گئے ہیں۔ جس کے سمجھنے کے لیے اوّلین شرط درستگی ایمان اور عرفان کا ہونا ہے۔ قرآنِ حکیم میں کسی عنوان سے کوئی آیاتِ مبارکہ نہ ہی مہمل ہے نہ اس میں بے ربطگی پائی جاتی ہے اور نہ ہی تشنہ جواب۔ کہیں **فَاَیْنَ تَذْهَبُون** فرما کر ''کہ تم کدھر جا رہے ہو'' تادیب کا پہلو معلوم ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی محبت اور استعجاب سے سوالیہ جملہ معلوم ہوتا ہے۔ جب تک شرح صدر نہ ہو یہ قرآنی حکمتیں آسانی سے نہ سمجھی جاسکتی ہیں نہ سمجھائی جاسکتی ہیں۔ اس قسم کی بیشتر مثالیں قرآن پاک میں

موجود ہیں۔ میں نے یہ تشریح جو فَــــاَیْــنَ تَــذْهَبُــونَ کی کی ہے اس سے میرا مقصد وَابْتَغُوا اِلَیْـہِ الْوَسِیْلَةَ کو اس انداز سے بیان کر کے یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ وَابْتَغُو ،صیغہ اَمر میں فرمایا گیا ہے یعنی اس آیت مبارکہ کے سیاق وسباق سے یہ بطورِ حکم ہے کہ تم وسیلہ تلاش کرو یا ڈھونڈو۔ اب وسیلہ سے انکار، اسکا وہ منکرین وسیلہ ہی فیصلہ کریں کہ حکم الٰہی کے خلاف بیانات دینا یا فتوے صادر کرنا صریحاً ربِ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے یا نہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ معاذ اللہ محتاج وسیلہ ہرگز نہیں لیکن مخلوق محتاج وسیلہ ہے اور یہی نکتہ سمجھنے کے بعد وسیلے کی صحیح تفہیم ہوسکتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص مالک کی بادشاہت، عظمت وجلال اور اس کے اختیارات مطلق سے انکار کرے یا کسی کو بھی معبود کے برابر عبادت کے لائق سمجھے وہ یقینی مشرک ہے۔

مشرک کے لفظی معنی ہیں دو (۲) یا زائد حِصوں کا اس طرح مِل جانا کہ تمیز نہ ہوسکے۔ تعریف مشرک یہ ہے کہ غیر خدا کو واجب الوجود اور مستحقِ عبادت مان کر اسے درجہ الوہیت میں شریک کرنا۔ یہ کفر کی بدترین قِسم ہے۔ شرع مطہر نے اہل کتاب کفّار کے احکام مشرکین کے احکام سے جدا فرمائے مثلاً کتابی کا ذبیحہ حلال اور مشرک کا مردار ہے کیونکہ یہ نبّوتِ ورسالت کے سرے سے انکاری ہیں اور قرآن حکیم میں ارشاد ہے ''شرک سب سے بڑا ظلم ہے''۔ (بحوالہ سورۃ لقمان)

اللہ ہی مالکِ کُل، خالقِ کُل، عقلِ کُل، علمِ کُل، سبب کُل اور حکمتِ کُل ہے۔ کوئی اس کا شریکِ کار یا اس کے برابر نہ ہے نہ تھا نہ ہوگا۔ میں ایک مثال سے آپ کو عرض کروں گا ایک بادشاہ اپنا نمائندہ منتخب کر کے کہیں بھیجتا ہے۔ معاذ اللہ وہ کسی نمائندے کو نمائندگی کے

لیے بھیجنے پر نہ تو مجبور ہوا اور نہ ہی مجبور کیا گیا ہے۔ تو وہ مدّ بر حقیقی نمائندگی کے لیے جتنا علم اور اختیار دینا مناسب سمجھتا ہے دیتا ہے تا کہ اس کے اوصاف کی مخلوق کو معرفت ہو۔

وہ آتا ہے کسی بھی عنوان سے وہ اس کا شریکِ کار نہیں بن سکتا۔ چونکہ قادر مطلق نے مخلوق کو تخلیق کیا تو اس کے سِوا کوئی دوسرا خالق ہو ہی نہیں سکتا اور ایسا سمجھنا یقینی شرک ہے۔ اب بات کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ مسبب الاسباب کو کسی حاجت کی ضرورت نہیں۔ مخلوق کو مسبب الاسباب تک رسائی کرنے کے لیے بطور سبب پیغمبروں، راہنماؤں اور ہادیوں کو معبوث فرمایا۔ اگر سبب و وسیلہ کو نکال دیں تو کیا ہم اور آپ ایسا کہہ کر شرک میں مبتلا نہیں ہوتے کہ ،

- فلاں ڈاکٹر نے مجھے اچھا کر دیا۔
- فلاں دوا سے مجھے فائدہ ہوا۔
- میرے ماں باپ نے مجھے پال پوس کر اور تعلیم و تربیت دیکر جوان کر دیا۔
- ڈوبتا ہوا آدمی راہگیروں کو آواز دیتا ہے کہ مجھے بچاؤ !

اس طرح کے شرک تو ہر مسلمان سے صبح سے شام تک سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ سو عینِ فطرت انسانی کے مطابق اور کائنات کی ارتقاء کی بناء پر مخلوق کے لیے رب نے سبب و وسائل رکھے ہیں، ایمان اور تقوے کے ساتھ اس کی معرفت اور صحیح بندگی کا حق ادا کرنے کے لیے انہیں سبب و وسائل کو تلاش کرنے کا تذکرہ متذکرہ بالا آیات میں ہے۔ اگر ایسا نہیں تو میرے خیال میں شِرک کے فتوے دینے والے خود بھی شرک میں مبتلا ہیں۔ ان توحید کے درجات کی تشریح کے بعد میں اب ایمان اور ضروریاتِ دین کی طرف آؤں گا۔

ایمان: ایمان کے معنی ہیں کہ سچّے دِل سے ان سب باتوں کی تصدیق کرنا جو ضروریاتِ دین ہیں۔ضروریات دین کے چند نکات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر ایمان

(۲) اس کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان

(۳) ملائکہ پر ایمان

(۴) جنت و نار، حشر و نشر پر ایمان

(۵) اچھی بُری تقدیر پر ایمان

شارع اعظم صلی اللہ علیہ وسلّم نے تمام مسلمانوں کو ایک کلمہ پر اکٹھا کیا اور اخوّت و مساوات کی وہ فضا قائم کی جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مشکل ہے۔اس کلمے کی تفہیم کے لیے یہ تمام نکات ایمان کی ضروریات میں سے ہیں۔ اِن میں سے کسی ایک کا انکاری قرآن سے منکر یا کافر ہوگا۔شارح اعظم ﷺ نے ہر دقیقہ کھول کھول کر بیان فرمایا۔اب میں اِن باتوں کی طرف آؤں گا جن میں اُلجھ کر ہم مُسلمان افراط و تفریط کا شکار ہو کر متفرق فرقوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر شرک و کفر کے فتوے صادر فرماتے ہیں۔ایک نکتہ عرض کروں کہ یہ ساری بصارت اور بصیرت کی بات ہے خدا توفیق دے انسان خلوصِ دل اور نیک نیتی سے اگر سمجھنا چاہے تو میں سمجھتا ہوں کوئی مسئلہ مسئلہ نہیں۔

ایک عام مسلمان کو ان تمام بنیادی نکات پر اجمالاً ایمان لانا لازمی ہے اور چاہیے کہ ضروریاتِ دین سے منکر نہ ہوں۔بس اعتقاد رکھیں جو کچھ اسلام میں ہے حق ہے۔لیکن جو حضرات مسائلِ علمیہ سے ذوق رکھتے ہیں ان کے لیے ان نکات کو علمی طور پر جاننا ضروری

ہے۔اس لیے اب میں کچھ معروضات نبوت ورسالت کے متعلق عقائد کی تشریح میں پیش کروں گا تا کہ اس کی روشنی میں ایک مسلمان کے عقائد کی صحیح تفہیم اور حقیقتِ شرک واضح ہوجائے۔

رسالت ونبوت کے متعلق عقائد کی تشریح

ایک مسلمان کے لیے توحید، ذات وصفات باری تعالیٰ پر ہو بہو ایمان لانا فرض ہے اور کسی ضروری کا انکار موجب کفر ہے یعنی اس کی ذات وصفات کو تشبیہہ دینا یا مخلوق کی صفات کے ساتھ مخلوط کرنا کہ سماعت ہم جیسی یا بصارت ہم جیسی جائز نہیں یا ان کی وضاحت کہ حقِ تعالیٰ اِن سے کیونکر اور کس طرح متصف ہے عقل سے محال اور منع ہے بس ان پر پورا پورا ایمان رکھا جائے۔اللہ تعالیٰ ہر طرح سے مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے فرمایا

لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ترجمہ: اللہ کے مثل کوئی شے نہیں (سورۃ شوریٰ آیت ۱۱)

اس نسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا،

تفکرو فی الخلق ولاتفکرو فی الخالق

مخلوق میں غور کرو خالق میں غور وفکر نہ کرو

اس تمہید کے بعد یہ بتانا چاہوں گا کہ نبوت ورسالت کے متعلق عقائد میں فرض کیا ہے، واجب کیا ہے اور کس چیز کا اقرار یا انکار موجب کُفر یا عمل اکارت ہوجانے کے مترادف ہے۔سومندرجہ ذیل امور کا جاننا ضروری ہے،

(ا) انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام اخلاقِ فاضلہ سے مزّین ہوتے ہیں، انہیں اپنے نفسِ ذات میں عقلِ کامل عطا کی جاتی ہے جو تمام اکابرین اولیاء کرام اور عام لوگوں کی عقل

وحواس سے بدر جہاز ائد ہوتی ہے۔

(۲) انبیاعلیہم الصلوٰۃ والسلام پر آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل کئے گئے اور ان سب پر ہمارا ایمان ہے۔ اگلی کتابوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے امتوں کے سپرد کی تھی بعد میں ان میں تحریفین ہوئیں، سو جو قرآنِ حکیم کے مطابق ہے ہم اس کی تصدیق کریں گے، کیونکہ قرآنِ حکیم کی نگہبانی اور محفوظ رکھنے کا ذمہ رب تعالیٰ نے خود لیا ہے تو اس میں کسی لفظ یا نکتہ کی کمی بیشی محال ہے اور ایسا کہہ دینا ایمان کھو دینے کے مترادف ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے،

اِنَّانَحْنُ نَزَّلنَا الذِّکْرَ وَاِنَّالَهٗ لحٰفِظُوْنَ o

ترجمہ: بے شک یہ کتاب ہم نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

(سورۃ الحجر آیت ۹)

اور سورۃ قیامہ میں ربِّ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''اے محبوبؐ تم یاد کرنے کی جلدی میں وحی کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بے شک اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم اسے سُنا کرو اور پھر اسی طرح پڑھا کرو پھر اس کے معنی کا بیان بھی ہمارے ذمّہ ہے۔

(سورۃ القیامۃ آیت ۱۹-۱۶)

(۳) انبیاء علیہم السلام کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ باتیں ارشاد فرمائیں جہاں تک عقل وحواس کی رسائی نہیں، اسی کا نام غیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی، اِن کا علم عطائی ہے۔

ترجمہ: اور اللہ تم کو (اے عام لوگو) غیب کی باتوں سے مطلع نہیں کریگا
ہاں اللہ چُن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ تو ایمان لاؤ اللہ
اور اس کے رُسولوں پر اور اگر ایمان لاؤ اور پرہیز گاری کرو تو
تمہارے لیے بڑا ثواب ہے۔ (سورۃ ال عمران آیت ۱۷۹)

اولیاء اللہ کو بھی علم غیب عطائی ہوتا ہے مگر بواسطہ نبی علیہ صلوٰۃ وسلام کے۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ارشاد ہے،

وَمَا هُوَ عَلَى الغَيُبِ بَضَنِين o

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ (سورۃ التکویر آیت ۲۴)
(یعنی جس کو مستحق سمجھتے ہیں علم عطا فرماتے ہیں)

علم ذاتی صرف خاصہ الہویت ہے جس طرح کہ ممکن بھی موجود ہے اور واجب بھی موجود لیکن دونوں کو وجود میں مساوی کہنا یا دونوں درجوں کو مخلوط کرنا کُھلا شِرک اور کُفر ہے۔

(۴) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم فرضِ عین ہے بلکہ اصل تمام فرائض ہے۔ کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب کُفر ہے۔ ضروری مسئلہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں اِن کا ذکر تلاوتِ قرآن اور روایت و حدیث کے سِوا احرام ہے۔ اوروں کو لب کشائی کی کیا مجال اللہ تبارک تعالیٰ اِن کا مالِک ہے جو تعبیر فرمائے۔ اس کے پیارے بندے ہیں اس کی حکمتیں سمجھنے سے ہماری عقلیں ناقِص ہیں۔

(۵) نبیوں کے مختلف درجات ہیں بعض کو بعض پر فضیلت ہے یعنی اپنے صدق کا اعلانیہ دعویٰ فرما کر امر محال ظاہر فرماتے ہیں جس سے منکرین عاجز رہتے ہیں اسکو معجزہ کہتے

ہیں۔

(۶) اسی طرح کرامت اولیاء حق ہے قرآن وحدیث اس پر دلیل ہیں سورۃ نمل میں ارشاد ہے،

ترجمہ: (حضرت سلیمانؑ نے) کہا اے دربار والو! کوئی تم میں ایسا ہے کہ قبل اس کے وہ لوگ فرمانبردار ہوکر ہمارے پاس آئیں ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے۔ ایک شخص جس کو کتابِ الٰہی کا علم تھا کہنے لگا کہ میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے اسے آپ کے پاس حاضر کئے دیتا ہوں۔ جب سلیمانؑ نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے (یعنی جس کو چاہے عطا فرمائے) (سورۃ النمل آیت۔۳۸۔۴۰)

''تفسیر میں آتا ہے یہ آصف بن برخیاہ تھے جو حضرت سلیمانؑ کے وزیر تھے یہ کوئی پیغمبر تو نہ تھے ولی تھے۔ علم الکتاب سے مراد انہوں نے ربِ تعالیٰ کی بھیجی ہوئیں کتابیں پڑھی تھیں اور وہ اُن کی عظمت سے واقف تھے۔ اس آیت میں فکر یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں کیا کیا صاحبِ کرامت لوگ تھے، ان کو بتانا مقصود تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ''تم میں سے کوئی ہے جو ملکہ کا تخت لائے'' آیتِ کریمہ کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ مدد کے لیے اولیاء کرام کو کہنا نہ صِرف جائز بلکہ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام بھی اپنے اہل تصّرف سے کام لیتے تھے۔ اور یہ کہ اولیاء اللہ نبی کی عظمت و بزرگی کے مظہر ہوتے ہیں اور یہ کہ اولیاء اللہ رب کی عنایت سے دور سے دیکھتے،

سُنتے اور مدد کرتے ہیں اور (بوسیلہ سرکار علیہ صلوٰۃ والسلام) اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت عطا فرمائی ہے ان میں جو اصحاب خدمت ہیں ان کو نمائندگی کے لیے تصّرف کا اختیار دیا جاتا ہے۔ یہ حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نیابت میں ملتے ہیں۔ رہا ان کو فاعل مستقل جاننا یہ فریب ہے، مسلمان کبھی ایسا خیال نہیں کرتا۔ اب اولیاء کرام کے توسط سے بندوں کی حاجت روائی اور دعاؤں کا مقبول ہونا اس نکتہ کو سمجھنے کے لیے قضا کے فیصلے اور ان کی تشریح پیش کرنا چاہوں گا۔

قضاء کے فیصلے: قضاء کی تین قسمیں ہیں

(۱) قضائے مبرم حقیقی (۲) قضائے مبرم (۳) قضائے معلق محض

مبرم حقیقی کی تبدیلی ناممکن ہے۔ اگر اکابرین ومحبوب خدا اتفاقاً اس بارے میں عرض کرتے ہیں تو انہیں بھی واپس فرمادیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قومِ لوط پر عذاب نہ آنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام بہ الفاظ قرآن حکیم اپنے رب سے جھگڑنے لگے تو جواب آیا،

ترجمہ: اے ابراہیم اس خیال میں نہ پڑو، آپکے پروردگار کا حکم آپہنچا بے شک ان پر وہ عذاب آنے والا ہے جو پھرنے والا نہیں۔

(سورۃ ھود آیت ۷۶)

اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کے لیے دعا مانگنا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے لیے ندا کرنا وغیرہ۔

اب جو قضائے معلق محض یا قضائے معلق ہے وہاں تک اکثر اولیاء اور صالحین کی رسائی ہوتی ہے اور ان کی دُعا سے ٹل جاتی ہے۔ حدیث پاک ہے۔

''دُعا وباء اور تکلیف کو دور کر دیتی ہے۔''

حوالہ (بخاری شریف جلد سوئم باب ۷۸۰ صفحہ ۴۸۴)

رحمتِ خداوندی بہانہ می جوئد۔۔۔۔۔

اس طرح بندوں کی حاجت روائی کا ہونا اور اولیاء کرام کی سعادت پانا مقصود ہوا۔ اس کے علاوہ بعض خاص اکابرین کی دعا قضائے مبرم کو بھی ٹال دیتی ہے جس طرح یہ بات سیّدنا غوثِ پاک حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے اس کی نسبت حدیثِ پاک ہے۔

''بے شک دعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے''۔

حدیث بخاری شریف ہے

''حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلّم جمعہ کے دِن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی علیہ وسلم اللہ سے دُعا کیجئے کہ ہم لوگوں پر بارش ہو۔ آسمان ابر آلود ہو گیا اور بارش ہونے لگی۔ یہاں تک کہ لوگ اپنے گھروں کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی تو وہی شخص یا کوئی دوسرا کھڑا ہوا۔ عرض کیا یارسول اللہؐ! اللہ سے دعا کیجئے کہ بارش کو ہم سے لوٹا لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا اللہ ہمارے اردگرد برسا اور ہم پر نہ برسا چنانچہ بارش مدینہ کے اردگرد ہونے لگی اور وہیں بارش ہوتی رہی لیکن مدینہ میں بارش نہیں ہو رہی تھی۔

(بحوالہ صحیح بخاری جلد سوئم باب ۱۲۶۷)

(۷) شرعیہ کی پابندی سے کوئی ولی کیسا ہی عظیم ہو سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ رہا اولیاء کرام یا

ان کی کرامات سے انکار تو ایسا شخص گمراہ ہے (بہار شریعت) اولیاء کرام اللہ کے مقربین ہیں، یہ گذشتہ زمانوں میں بھی ہوئے ہیں اب بھی ہیں اور اس کے بعد قیامت تک موجود رہیں گے۔ جس طرح کہ نقلی عقلی دلیلیں اور حجتیں علماء کرام کے درمیان آج بھی موجود ہیں اسی طرح رب تعالیٰ کی منشاء سے اولیاء کرام خاصانِ الٰہی کے درمیان عینی دلائل موجود ہیں۔

(۸) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں انکی حیات، حیاتِ شہدا سے نہایت اعلیٰ ورافع ہے۔ اولیاء کرام نائب رُسل بھی اپنی قبروں میں حیاتِ ابدی کے ساتھ زندہ ہیں۔ ان کے علم وادراک سمع وبصر پہلے کی نسبت زیادہ قوی ہیں۔ قرآن حکیم میں اِرشاد ہے۔

ترجمہ: اور جو اللہ اور اسکے رسُولؐ کی تابعداری کرے گا، تو اُسے انکا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء، صدیق، شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ (سورۃ النساء آیت ۶۹)

حدیث شریف ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

''جمعہ کے دن بکثرت دُرود پڑھو اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جب کوئی مجھ پر دُرود پڑھتا ہے مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک وہ فارغ ہو۔ پوچھا گیا بعد وفات بھی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو گلانا سڑانا حرام کر دیا ہے۔ نبی اللہ زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں''۔ (ابن ماجد، ابوداؤد، نسائی)

ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے حسن بن حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی

ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو حضور علیہ صلوٰۃ وسلام کے روضے پر پے در پے آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تو اور جو شخص اُندلس میں ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے کے اعتبار سے بالکل یکساں ہیں۔ بحوالہ (تفسیر ابن کثیر سورۃ احزاب)

اس کے علاوہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضور علیہ صلوٰۃ وسلام کے زمانے میں غیبت مکان آپ سے قربت میں حائل نہ تھی۔ پس متاخرین سے غَیبت زماں کیونکر حائل ہوسکتی ہے۔ کیونکہ غَیبت مکان اور غَیبت زمان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

(۹) تمام انبیاء علیہ السلام ربِّ تعالیٰ کے حضور عظیم وجاہت والے اور عزت والے ہیں۔ اس سعادت پر انہیں اللہ تعالیٰ نے فائز کیا ہے۔

(۱۰) سرکار ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں اوروں کو فرداً فرداً جو کمالات عطا ہوئے ہیں حضورؐ میں وہ سب جمع کر دیئے گئے ہیں۔ حضور ﷺ اپنے رب کے کرم سے اپنے نفسِ ذات میں کامل واکمل ہیں جیسا کہ ربّ تعالیٰ فرماتے ہیں،

وَ اِنَّک لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم

ترجمہ: ''اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے''۔ (سورۃ قلم آیت ۴)

(۱۱) حضور ﷺ کے خصائص سے ہے کہ آپؐ کو دو دفعہ معراج ہوئی ایک مرتبہ روحانی دوسری مرتبہ جسمانی۔ جمالِ الٰہی بچشم سر دیکھا۔ کلام الٰہی بلا واسطہ سنا (بحوالہ سورۃ النجم) اور تمام ملکوت السموات والارض کو بالتفصیل ملاحظہ فرمایا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵)

(۱۲) آپ ﷺ تمام کائنات کی طرف معبوث فرمائے گئے ہیں۔

(۱۳) آپ رسول ﷺ خاتم النبین ہیں آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(۱۴) اور قیامت کے دن مرتبہ شفاعتِ کبریٰ حضورؐ کے خصائص سے ہے۔ جب تک حضور علیہ صلوٰۃ والسلام شفاعت نہ فرمائیں گے کسی کی مجال شفاعت کی نہ ہوگی بلکہ جتنے شفاعت کرنے والے ہیں حضورؐ کے دربار میں شفاعت لائیں گے۔ ہر قسم کی شفاعت حضورؐ کے لیے ثابت ہے (بحوالہ سورۃ والضحیٰ آیت ۵)۔ جب آیت کریمہ وَلَسُوفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ نازل ہوئی یعنی ''بے شک عنقریب تمہیں تمہارا رب اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہوجاؤ گے'' تو حضور سیّد المرسلین، شفیع المذنبین ﷺ نے فرمایا، ''میرا رب ایسا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک بھی اُمتّی آگ میں ہو۔''

سرکارِ دوعالم ﷺ رب کی لاتعداد نعمتوں سے اُمتیوں کو نوازیں، رحمتیں اور برکتیں نچھاور کریں اور اُمتّیوں کا یہ حال کہ رسول اللہ ﷺ کی اہانت کرنے میں کسی قسم کی شرم تک محسوس نہ کریں، جیسا کہ ''تقویۃ الایمان'' میں باالواسطہ سرکارؐ کی شان میں بے ادبی کردی گئی ہے، لکھتے ہیں، ''ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے'' (صفحہ ۲۵ تقویۃ الایمان)۔ اس کے علاوہ اور بھی خزافات بکی ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ جبکہ جاننا چاہیے، رب فرماتے ہیں کہ سرکارِ دوعالمؐ کی شان میں ذرا سی گستاخی کا شائبہ بھی اگر تمہارے دِل میں ہو تو تمہارے نیک اعمال اکارت ہوجائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہوگی (بحوالہ سورۃ حجرات)۔ حقِ تعالیٰ اپنے بندوں کی بخشش کے لیے اسباب بنائیں، سرکار دوعالم ﷺ کی عظمت واکرام کا اظہار فرمائیں اور یہ عداوتِ نبی میں گرفتار اپنے ایمان گنوائیں اور جہنم کا ایندھن بننے کے اسباب پیدا کرتے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو عقلِ سلیم اور تفہیمِ دین کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں سرکارِ دوعالمؐ کی محبت

نصیب فرمائے کہ مدارِ ایمان ہے۔ جس طرح ہمارے نبی ﷺ ہماری بخشش کے لیے بے تاب اُسی طرح ہمیں بھی حضور ﷺ کی محبت میں سرشار ہونا چاہیے۔ لاکھوں دُرود وسلام ہمارے اور تمام فرشتوں اور ربِّ تعالیٰ کے اس عظمت و وجاہت والے پیارے رسول ﷺ پر۔ صحیح مُسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

> میری اور میری اُمت کی مثل ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی پھر اس میں کیڑے اور پتنگے گرنے لگیں اور میں پکڑے ہوئے ہوں تمہاری کمروں کو اور تم بے تامل اندھا دھند اس میں گر پڑتے ہو۔
> (صحیح مُسلم جلد ٦)

آپ ﷺ کی شان رفیع ہے۔ رفعت، عزت، وجاہت آپ ﷺ پر ختم ہے۔ حدیثِ پاک: حضرت اُنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جب قیامت کا دِن ہوگا تو لوگ دریا کی طرح موجیں ماریں گے، بیقرار ہوں گے۔ چنانچہ یہ لوگ حضرت آدمؑ کے پاس شفاعت کے لیے آئیں گے وہ فرمائیں گے میں اس کا اہل نہیں تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ کے خلیل ہیں۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰؑ بھی فرمائیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں اور حضرت عیسیٰ کے پاس بھیج دیں گے کہ وہ رُوح اللہ ہیں وہ بھی کہیں گے میں اس کا اہل نہیں اور تم لوگ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں کہوں گا میں اسکا اہل ہوں اور میں اپنے رب سے

اجازت چاہوں گا مجھے اجازت ملے گی اور میرے دِل میں اللہ ایسے کلمات حمد ڈال دے گا۔ میں ان ہی کلمات سے اس کی حمد بیان کروں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا پھر کہا جائے گا! اے محمد اپنا سر اٹھاؤ! کہو سُنا جائے گا !مانگو دیا جائے گا !شفاعت کرو قبول ہوگی! میں عرض کروں گا اے میرے رب! میری اُمّت میری اُمّت، حکم ہوگا کہ جس کے دِل میں ایک جو برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو، چنانچہ میں جاؤں گا اور یہ کروں گا، پھر لوٹ کر آؤں گا اور ان ہی کلماتِ حمد سے اس کی حمد بیان کروں گا۔ پھر میں سجدے میں گر جاؤں گا پھر وہی کہا جائے میں عرض کروں گا میری اُمّت میری اُمّت تو کہا جائے گا کہ جاؤ اور دوزخ سے اس شخص کو نکال لو جس کے دِل میں ذرّہ یا رائی برابر ایمان ہو، میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا۔ پھر لوٹ کر آؤں گا اور ان ہی کلمات سے اللہ کی حمد بیان کروں گا، پھر میں سجدے میں گر جاؤں گا یہاں تک کہ ایسا چوتھی بار ہوگا میں عرض کروں گا اے میرے رب مجھے ان لوگوں کو نکالنے کی اجازت دے جنہوں نے لا الہٰ اِلا اللہ کہا ہو، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ قسم ہے میری عزت وجلال اور عظمت وکبریائی کی میں دوزخ سے اس کو نکال دوں گا جس لا الہٰ اِلا اللہ کہا ہو۔

(بحوالہ حدیث صحیح بخاری شریف جلد سوئم باب ۲۳۵۷ صفحہ ۹۰۲)

(۱۵) حضور صلوٰۃ والسلام کی محبت مدارِ ایمان ہے، بلکہ ایمان اس محبت ہی کا نام ہے۔ جب تک حضورؐ سے محبت ماں باپ، اولاد، تمام جہاں سے زیادہ نہ ہو ایمان مکمل نہیں، اس پر قرآن وحدیث دلیل ہیں۔ حضورؐ کی اطاعت عین اطاعت الٰہی ہے اور آپ کی محبت عین محبت الٰہی ہے۔

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں۔ وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں
ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (ترجمہ سورۃ الفتح آیت ۱۰)

اور حضورؐ کی تعظیم بعد ایمان ہر فرض سے مقدم ہے۔ اگر کوئی فرض نماز میں ہو اور حضورؐ اُسے یاد فرمائیں تو فوراً جواب دے۔ سورۃ النساء آیت ۸۰ میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں،

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ

ترجمہ: جو شخص رُسولؐ کی فرمانبرداری کرے گا بے شک اُس نے خدا کی فرمانبرداری کی۔

(۱۶) شانِ اُقدس ﷺ میں جو الفاظ استعمال کئے جائیں ادب میں ڈوبے ہوئے ہوں، کوئی ایسا لفظ جس میں کم تعظیمی کی بُو بھی ہو کبھی زبان پر نہ لائے۔ ربِّ تعالیٰ ادب کی رسموں کا حکم فرماتے ہیں۔

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آواز اونچی نہ کرو نبیؐ کی آواز سے اور
انکے حضور بات بلند کر کے نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے
سامنے ظاہر کرتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور
تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ (سورۃ الحجرات آیت ۲)

اِس آیت میں ربِّ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ نبیؐ کی شان میں ذرا سی بے ادبی کے سبب تمہارے نیک اعمال باطل ہو جائیں گے اور تمہیں خبر تک نہ ہوگی۔ تفسیر حسینی میں اس آیت کی تفسیر میں عرض ہے **من ترک الادب ردعن الباب** یعنی جس نے بے ادبی کی وہ مردود درگاہ ہے۔ لاکھ برس ابلیس نے جو طاعت وعبادت کی تھی ایک بے ادبی میں ضائع ہوگئی۔

(۱۷) حضور علیہ صلوٰۃ سلام کے کسی قول وفعل کو جو حقارت سے دیکھے کافر ہے۔

(۱۸) حضور اقدس ﷺ خدائے بزرگ وبرتر کے نمائندے، نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضورؐ کے ماتحت کر دیا گیا۔ آپؐ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں جیسا کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں،

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْ ۝

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسُول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔ (سورۃ الحشر آیت ۷)

(۱۹) تمام روئے زمین اور جنت ونار کی کنجیاں حضور ﷺ کو دے دی گئیں اور ہر قسم کی عطائیں حضورؐ کے دربار سے ہی تقسیم ہوتی ہیں۔ حدیث پاک ہے،

فَاِنَّا اَنَا قَاسِمٌ وَیُعطِی اللّٰہ (بحوالہ صحیح بخاری جلد دوم باب ۳۵۷)

تمام نعمتیں اللہ عطا کرتا ہے اور میں مخلوق میں تقسیم کرتا ہوں۔

(۲۰) سب سے پہلے مرتبہ نبوت حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کو ملا۔ روزِ میثاق تمام انبیاء علیہم السلام سے حضور پر ایمان لانے اور حضور کی نصرت کرنے کا عہد کیا گیا۔

ربِّ تعالیٰ قرآنِ حکیم میں فرماتے ہیں۔

ترجمہ: وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت سے سرفراز کروں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے۔ تو تمہیں اس پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا ضروری ہے۔ فرمایا کیا تم اس کے اقراری

ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا ہمیں اقرار ہے فرمایا! تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں۔ (سورۃ ال عمران آیت ۸۲-۸۱)

ان آیات کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کو اس عہد ہی کی بناء پر نبوت کا منصب اعظم عطا کیا گیا اور سب نے اپنے عہد میں حضورؐ کی نیابت میں کام کیا۔ یہی وجہ تھی کہ معراج والی رات آپ ﷺ تمام انبیاء کے امام بنائے گئے۔ اسی طرح میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کو فیصلوں کے لیے لانے میں شفیع آپؐ ہی ہوں گے، یہی مقامِ محمود ہے جو آپؐ کے سوا کسی کو لائق نہیں۔ تمام انبیاء اور کُل رسُل اس دن اس کام سے منہ پھیر لیں گے۔ بالآخر آپؐ ہی خصوصیت کے ساتھ اس مقام پر کھڑے ہوں گے۔ خدا تعالیٰ اپنے درود وسلام آپ پر ہمیشہ ہمیشہ بھیجتا رہے قیامت کے دن تک۔ آمین

(بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کو حاضر و ناظر کیا تا کہ بروزِ محشر بحیثیت ایک گواہ اور شفیع کا منصب ادا کر سکیں جیسا کہ رب فرماتے ہیں،

ترجمہ: اور جس دن ہم ہر گروہ میں سے ایک گواہ انہی میں سے اٹھائیں گے کہ ان پر گواہی دے اور اے محبوب تمہیں ان سب پر شاہد لائیں گے اور ہم نے تم پر قرآن اُتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کو۔

(سورۃ نحل آیت ۷۹)

(۲۲) پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر لازم کیا۔ بحوالہ تفسیر وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (سورۃ الم نشرح آیت ۴)

مشرکین عرب کے عقائد:

ان تمام مسائل کی تفصیل جن کا تعلق ایمان کی ضروریات سے ہے بیان کرنے کے بعد میں مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر مع شانِ نزول بیان کروں گا تا کہ مشرکین عرب کا نظریہ اور ان پر ربِّ تعالیٰ کی تادیب کیوں؟ واضح طور معلوم ہو جیسا کہ پچھلے اوراق میں ,مَیں نے اشارۃً بیان کیا تھا۔

ترجمہ: بولے کیا جب ہم مرجائیں اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں پھر نکالے جائیں گے۔ بے شک یہ وعدہ ہم کو اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا کو دیا گیا یہ تو نہیں مگر وہی اگلی داستانیں ہیں (یعنی جنکی کچھ

بھی حقیقت نہیں)۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے (ان منکروں کو) کہ اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ کس کا مال ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے قریب ہے کہ کہیں گے اللہ کا، تم فرماؤ پھر کیوں نہیں سوچتے۔ تم فرماؤ کون ہے مالک ساتوں آسمانوں اور مالک عرشِ عظیم کا قریب ہے کہ کہیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے، تم فرماؤ پھر کیوں نہیں ڈرتے۔ تم فرماؤ کس کے قبضہ قدرت میں ہے سب چیزوں کی بادشاہی اور وہ پناہ دیتا ہے، اور اسکے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا اگر تمہیں علم ہو قریب ہے کہ کہیں ایسی بادشاہی اللہ ہی کو ہے، تم فرماؤ پھر کس جادو کے فریب میں ہو۔ (سورۃ المومنون آیت ۸۹-۸۲)

شانِ نزول: آیات بالا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مشرکینِ عرب سے کلام ہیں ان سے وضاحتاً مشرکین کے عقائد کی ترجمانی ہوتی ہے۔ مشرکین عرب توحید کے بیان کردہ دو (۲) درجات یعنی واجب الوجود

خالقِ کُل اور مالک کُل اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود،

(۱) وہ لا اِلٰہ کہنے پر راضی نہ تھے کیونکہ اس طرح ان کے بنائے گئے معبودوں کا انکار ہے۔

''بلاشبہ جب ان مشرکوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں تو اکڑنے لگتے ہیں''۔ (سورۃ الصّفتّ آیت ۳۵)

''پھر حد درجہ تعجب سے کہا کرتے (آپؐ کی تضحیک کرتے ہوئے) کیا اس نے تمام الٰہوں کا ایک اِلٰہ بنا دیا بلاشُبہ یہ تو بڑے تعجب کی

بات ہے''۔ (سورۃ ص آیت ۴،۵)

(۲) مشرکین عرب یوم آخر اور قیامت کے دن اٹھائے جانے سے منکر تھے جیسا کہ پیش کردہ آیات ابتدائی سے ظاہر ہے۔

(۳) انہیں رب تعالیٰ کو مدّبر حقیقی اور معبود حقیقی ماننے میں عار تھا۔ کیونکہ وہ منتظم اور درجہ الہویت پر اپنے معبودوں کو فائز سمجھتے تھے۔

(۴) وہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بجائے اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے اصنام کو ہی وسیلہ بنائے ہوئے تھے جس کی کوئی سند نہ تھی۔

ان تمام فاسد عقائد کی وجہ سے ربِّ ذوالجلال نے باوجود یکہ وہ واجب الوجود اور اس کے خالقِ کُل ہونے کے قائل تھے ان کو مشرک قرار دیا۔

چند آیات کی تعلیم و تفسیر مع شان نزول

اسی طرح اب میں وہ تقریباً تمام آئتیں جو شرک اور کفر کے فتوے دینے میں استعمال کی جاتی ہیں مع شانِ نزول کے پیش کرنا چاہوں گا تا کہ ان کی مشیت، تعلیم اور اطلاق سے ہر مُسلمان بہرہ ور ہو سکے۔

(الف) آیاتِ متعلقہ شرک فی العلم اور شرک فی التصّرف

(۱) بھلا کون ہے وہ جو لاچار کی سُنتا ہے جب اسے پکارے اور دور کر دیتا ہے برائی اور تمہیں زمین کا وارث کرتا ہے کیا اللہ کے ساتھ اور خدا ہے بہت ہی کم دھیان کرتے ہو۔ (سورۃ نمل آیت ۶۲)

شانِ نزول: اِس آیت میں مشرکین کا رد ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور معبود بنا رکھے تھے اور اللہ برحق کی طرف کسی قسم کا التفات نہیں کرتے ہیں۔

(۲) اور اس کے سوا جنہیں تم پُوجتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی تو کسی چیز کے مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو تمہاری پکار نہ سنیں اور بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری حاجت روا نہ کرسکیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے منکر ہوں گے اور تجھے کوئی نہ بتائے گا اس بتانے والے کی طرح۔ (سورۃ فاطر آیت ۱۴،۱۳)

شانِ نزول: یہ آیت بتوں کے ردّ میں ہے کیونکہ وہ بے جان ہیں اور اصلاً قدرت و اختیار نہیں رکھتے۔ کیونکہ مشرکین اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے بتوں کو گزرے ہوئے صالحین کا متبادل سمجھتے تھے جس کی پچھلی کُتب میں اللہ کی طرف سے کوئی سند نہیں تھی۔ سو وہ ان کے شِرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

(۳) وہ جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو ایک مکھّی بھی نہ بنا سکیں گے اگرچہ سب اس پر اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھّی اِن سے کچھ چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا نہ سکیں۔ (سورۃ الحج آیت ۷۳)

شانِ نزول: یہ آیت بتوں کی پُوجا کے ردّ میں آئی کہ یہ اپنے اوپر سے مکھی تک نہیں اڑا سکتے چہ جائیکہ مشرکین عرب کا انکو معبود گردانا۔

(۴) تم فرماؤ پکارو انہیں جنہیں تم اللہ کے سوا معبود سمجھے بیٹھے ہو، وہ ذرّہ بھر

کے مالک نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان میں انکا کچھ حصّہ ہے اور نہ اللہ کا ان میں سے کوئی مددگار۔ (سورۃ سبا آیت ۲۲)

شانِ نزول: یہ آیت بھی مشرکین کے بتوں کی پوجا کی ردّ میں نازل ہوئی جو کہ کسی طرح تصرف نہیں رکھتے۔

(۵) تم فرماؤ بھلا بتلاؤ تو جنہیں تم اللہ کے سوا پُوجتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کی بھیجی ہوئی تکلیف ٹال دیں گے یا اگر وہ مجھ پر مہربانی فرمانا چاہے تو کیا وہ اس کی مہربانی کو روک رکھیں گے۔ تم فرماؤ کہ مجھے اللہ ہی کافی ہے بھروسہ رکھنے والے اسی پر بھروسہ رکھیں۔ (سورۃ الزمر آیت ۳۸)

شانِ نزول: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال مشرکین سے کیا تو وہ لاجواب رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بُت محض بے قُدرت ہیں ان کی عبادت کرنا جہالت ہے اور فرمایا میرا اُسی پر بھروسہ ہے اور جس کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو وہ کسی سے بھی نہیں ڈرتا سو تم جو مکر و حیلے میری عداوت میں کرتے ہو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔

(٦) تم فرماؤ (مشرکین سے) بھلا بتلاؤ تو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کونسا ذرّہ بنایا یا آسمان میں ان کا کوئی حصہ ہے۔ میرے پاس لاؤ اس سے پہلی کوئی کتاب یا کچھ بچا کھچا علم اگر تم سچے ہو اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کے سوا ایسوں کو پُوجے جو قیامت تک اسکی نہ سنیں اور انہیں ان کی پُوجا کی خبر تک نہ

ہو۔ (سورۃ الاحقاف آیت ۵-۴)

شان نزول: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین کو چیلنج ہے کہ تم بتوں کو جو پُوجتے ہو اس کی شہادت کسی کُتب الٰہی سے اگر لاسکو تو لاؤ؟ لیکن تمہیں کوئی سند بُت پرستی کی نہیں ملے گی۔ اور درحقیقت تم اپنی خواہشوں کے پرستار ہو۔ اوران بُتوں کی حیثیت صرف جماد بے جان کی ہے۔

تعلیم: مندرجہ بالا تمام آیتوں کا بغور مطالعہ فرمائیں تو معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ سوائے اللہ کے عبادت کا مستحق کوئی نہیں ہوسکتا۔

۲۔ اللہ کے اذن کے سوا کوئی نفع یا نقصان کا سبب نہیں ہوسکتا وہی مسبب الاسباب ہے۔

۳۔ ان تمام آیات سے ان آیات مقدسہ کی نفی نہیں ہوتی جن سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو جن کو تصّرف فی الارض اور شفاعت کا منصب عطا کیا گیا ہے اور یہ کہ سب اللہ کی رحمت کے مستحق ہوجانے کا سبب ہیں اللہ کے اذن سے۔

۴۔ اور تفہیم یہ ہے کہ اپنی طرف سے وسیلہ بنالینا جس کی قرآن وحدیث کے سیاق وسباق سے کوئی سند نہیں شرک ہے، جہالت ہے اور خدائے بزرگ وبرتر کے وہ برگزیدہ بندے جنہیں اس نے شفیع اور قاسم کے اعزاز سے نوازا ہے وسیلہ بنالینا عینِ اطاعت ہے اور اس کا منکر گمراہ اور مبتدع ہے۔ متعدد آیات اور احادیثِ مبارکہ اس بات کی ترغیب میں ہیں۔ حدیثِ مبارکہ ہے،

> مسلمانوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہیے اور حاجت روائی کرنی چاہیے اور سب مسلمان آپس میں رفیق اور اللہ کے دین کے مددگار

ہیں۔ (بحوالہ صحیح بخاری ج۳صفحہ۵۹۲)

اللہ نے جن بندوں کو اپنی نمائندگی کے لیے مخصوص کیا انکو اختیارات اور حسب منشاء تصرفات دیئے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام ،تمام جن و انس ، چرند پرنداور حشرات الارض تک آپ کے تصرف میں کر دیئے گئے تھے۔(بحوالہ سورۃ نحل)

حضرت ذوالقرنین کواللہ تعالیٰ نے تصرف فی الارض عطا فرمایا تھااور ہر چیز کوان کا تابع کیا تھا۔ (بحوالہ سورۃ کہف آیت۸۴)

اور سیّد کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کوتمام روئے زمین اور جنّت و نار کی کنجیاں عطا فرمائیں اور اس قدر عطا فرمانے کا وعدہ کیا کہ آپ راضی ہو جائیں۔اور اسی طرح رب نے اپنے اولیاء کرام مثلاً آصف بن برخیاہ (بحوالہ سورۃ نمل آیت۴۰)اور متاخرین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تصرفات دیئے۔ یہ تمام حضرات اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو جانتے اور لوگوں کی حاجت روائی کیا کرتے۔سولوگ ان کے پاس جاتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے سرفراز ہوتے تھے اِسی ضمن میں،حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا بعینہٖ قرآن مجید،

میں اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور سفید داغ والوں کو اور مردوں کو جلا دیتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ (سورۃ المائدہ آیت۱۱۰)

اسی طرح لوگوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آنا اور آپ کے توسط سے گناہوں کا بخشا جانا،جیسا کہ رب کا فرمان ہے،

’’اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس

آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور رسولِ خدا بھی ان کے لیے بخشش طلب کرتے تو خدا کو معاف کرنیوالا اور مہربان پاتے''۔

(سورۃ النساء آیت ۶۴)

اور آپؐ کے وسیلے سے علم وحکمت سے فیضیاب ہونا اور انفاس کا خالص ہونا۔ آپؐ کی دعا سے قحط سالی کا دور ہونا، بارشیں ہونا، رزق میں کشائش ہونا، لوگوں کو صحت یابی اور مال میں برکت ملنا، آپؐ کے تبرکات اور لعاب دہن سے ہزاروں امراض میں شفا پانا۔

رب تعالیٰ نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلّم کو تمام کمالات دیکر سائل کو ردّ نہ کرنے کا فرمایا (بحوالہ سورۃ ضحیٰ) اور یہی حکم آپ کی سچی نیابت کرنیوالوں کو ہے کہ وہ بھی حاجت روائی کرتے ہیں اور اُن کے وسیلوں سے لوگوں کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔

حضرت اُنس رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ جب کبھی قحط پڑتا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگتے تھے۔ چنانچہ خوب بارش ہوئی تھی۔

(صحیح بخاری جلد دوم/بحوالہ حدیث ۹۰۷ صفحہ ۴۰۶)

اب لوگ اس بات کو نہ سمجھتے ہوئے درجہ عالی جو رب کے ساتھ مخصوص ہے اسکو اس تعظیم اور ادب کے ساتھ مدغم کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے اِن خاص اکابرین کو دیا۔ اس لیے اِن ہر دو درجات کی صحیح تفہیم کے لیے عبادت کے معنی ومفہوم سمجھ لیں تو یہ بات خوب واضح ہوجائے گی۔

''عبادت انتہائی تذلل اور خاکساری کو کہتے ہیں۔ صورتاً ہو یا نیتاً۔

تعظیم کی بھی دو جہت ہیں۔

۔ ایک وہ جہت جو ربِّ تعالیٰ کی مقدّس ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔

۔ دوسری وہ جو رعایا اپنے سلاطین کی اور شاگرد اپنے استاد کی کیا کرتے ہیں۔

اِسی طرح جِس کی تعظیم کی جائے اس کی قوت وعظمت کے لحاظ کے بھی دو (۲) درجے ہیں۔

۔ ایک بادشاہ کی عظمت جو رعایا کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور استاد کی عظمت جو شاگرد کے مقابلے میں ہوتی ہے۔

۔ دوسری وہ عظمت جو صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہی میں پائی جاتی جائے۔ اب ان معانی میں آپ جو بھی لفظ کہیں اس کے یہ دو ہی رُخ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات جو ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں نفس الامر میں دائم وقائم ہیں، حوادث سے پاک، ان پر ہو بہو پورا پورا ایمان رکھنا چاہیے کسی بھی قسم کی تاویل وتفسیر نہیں کرنی چاہیے کہ یہ کس طرح اور کیونکر ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو کسی بھی طرح مخلوق کی مشابہت سے پاک گردانا لازم قرار دیا ہے۔ اس معاملے میں رسول ﷺ نے کسی قِسم کی بحث نہیں فرمائی اور اُمت کو بھی بحث سے منع فرمایا۔

صفاتِ الٰہیہ کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو ربِّ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص اور خلق کی کسی جنس میں نہیں پائی جاسکتیں۔

اور دوسری وہ جو اس کی ذات اور دیگر مخلوق میں ملتی جلتی ہیں لیکن نفس الامر میں اکمل ودائم اور مخلوق وحادث کے فرق کیساتھ۔

مخلوق کو جو صفات عطیہ ہیں ان کے پیش نظر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اِن صفات کو ہو بہو نقل کرنا اور استعمال کرنا تشبیہ نہیں ہے بلکہ تشبیہ یہ ہے کہ سماعت ہم جیسی پائی جائے اور بصارت ہماری جیسی سمجھی جائے۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں فلاں شخص قادر ہے تو اس سے مُراد ہوتا ہے کہ یہ کام اس کے لیے ممکن ہے اور کوئی خارجی امر اسکو مانع نہیں۔ یعنی دو ممکنہ امور میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے سے قدرت کی نفی نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ متکلّم ہے اور آدمی کو متکلم کہنا شرک نہیں اور یہ بات ہر بندے کے خیال میں راسخ ہے کہ یہ صفت صفتِ الٰہیہ کی جہت سے کسی طرح مطابقت نہیں رکھتی، اللہ فرماتا ہے،

> ''کہ آدمی کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہم کلام ہو۔ ہاں وحی کے ذریعے یا پردے کی آڑ میں وہ کلام کرتا ہے یا کسی پیغمبر کو بھیج دیتا ہے تا کہ اللہ کے اِذن سے جو وہ چاہتا ہے وحی کرتا ہے۔ بے شک وہ بڑا بلند اور بڑی حکمت والا ہے''۔ (سورۃ الشوریٰ آیت ۵۱)

ربِّ تعالیٰ کے نیک بندے جن سے خارق العادات امور مثلاً کشف و کرامات یا مقبولیت دعا وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے تو اس سعادت کی بناء پر لوگ ان کے پاس جاتے ہیں۔ تو ان کو خدا کی صِفت میں شریک گردانا جہالت ہے۔ اگر بادشاہ اپنی رعایا میں سے کسی کو عطا و بخشش سے نوازے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ خود معطی اِن کا شریکِ کار بن گیا۔ خدائے بزرگ کی جناب میں سب لاچار و بے بس ہیں۔ جن کو اس نے اپنے قریب عِزّت و بزرگی سے نوزا ہے اِن کا بھرم رکھنا اور سعادت دینا اس کی عظمت اور شانِ کبریائی

ہے۔ بحیثیت ربِ تعالیٰ کے نمائندے ہر نبی جو معبوث ہوا یا ولی بحیثیت نبی کے نمائندے کے اِن کا اہم ترین فرض یہ رہا کہ اِن ہر دو (۲) درجوں کو صاف صاف بیان کریں اور جو درجہ عالی ہے واضح ہوکر رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہو۔ اگر چہ ان دو (۲) درجوں کے الفاظ ایک ہی قسم کے اور قریب ہی کیوں نہ ہوں مثلاً رسولِ ﷺ نے ایک طبیب کو مخاطب کر کے فرمایا! تم تو ایک رفیق ہو، طبیب تو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور فرمایا سیّد و سردار تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ آپ کا یہ ارشاد، الفاظ کے بعض خصوصی معنٰی کیطرف اشارہ کررہا ہے اور بعض کی نفی کررہا ہے۔ اب کسی کو پکارنا، مدد کے لیے کہنا، سوال کرنا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے،

ترجمہ: اے ایمان والو دین خدا کے مددگار رہو، جیسے عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہیں وہ جو اللہ کی طرف سے ہوکر میری مدد کریں۔ (سورۃ الصّف آیت ۱۴)

تو معلوم ہوا حواریوں کو حضرت عیسٰیؑ نے خدا کی طرف سے اپنی مدد کے لیے پکارا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے، حضرت عیسٰی فرماتے ہیں! میں اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور سفید داغ والے کو اور مردوں کو جلا دیتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

اسی سلسلے میں بخاری شریف کی احادیثِ مبارکہ ہیں۔

۱) حضرت جنید بیان فرماتے ہیں سائب بن یزید کو چورانوے سال کی عمر میں بہت تندرست و توانا دیکھا سائب نے کہا تم جانتے ہو کہ میں اپنے کان اور آنکھ سے صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی وجہ سے فائدہ حاصل کررہا ہوں۔ میری خالہ مجھے آنحضرت کی

خدمت میں لے گئیں تھیں اور انہوں نے عرض کیا تھا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ! میرا بھانجا بیمار ہے آپ خدا تعالیٰ سے اس کے لیے دُعا کر دیجئے تو آپؐ نے میرے لیے دعا فرمائی تھی۔ (صحیح بخاری باب ۳۷۴ جلد دوئم صفحہ ۳۴۱)

۲) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس جب کوئی سائل آتا کبھی کبھی وامَّا السائل کے بجائے جارۂ السائل فرماتے یا کوئی حاجت والا آتا تو آپ صحابہؓ سے فرماتے کے تم لوگ سفارش کرو اجر ملے گا۔ (صحیح بخاری باب ۲۳۲۴ جلد سوئم صفحہ ۷۹۱)

۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا! کہ جب مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے تو نہ تو اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو ظالم کے حوالے کرے۔ اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے کی فکر میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے اور جو شخص مسلمان سے کسی مصیبت کو دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتیں اس سے دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کا عیب چھپایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن اس کے عیب چھپائے گا۔ (صحیح بخاری باب ۱۵۶۸ جلد اوّل صفحہ ۸۴۳)

اب کسی کو تندرست کرنا اللہ ہی کی شان ہے لیکن اللہ ہی نے یہ تصرف حضرت عیسیٰؑ کو دیا، آپ ﷺ کو عطا فرمایا۔ تو جو ان صفاتِ الٰہیہ کو انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام کو دیئے گئے مرتبے اور تصرف سے مخلوط کرے گا شرک کا مرتکب ہوگا یا جو نبیوں اور ولیوں کی عظمت و بزرگی کو جو رب تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہیں اِن مشرکینِ عرب کے بتوں سے متماثل کرے گا عقل سے عاری ہوگا۔ اور جو مشرکین عرب کے اِن بتوں سے متعلقہ تمام عقائد

جان کر اِن آیاتِ مبارکہ کی تادیب کو کسی مسلمان پر چسپاں کرے گا تو گمراہ ہوگا۔
رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو غنی کر دیا اور سائل کو ردّ کرنے کے لیے منع فرمایا اور فرمایا حاجت مندوں کی حاجت روائی کریں انکو توانگر بنا دیں اور میری دی ہوئی نعمتوں کا خوب چرچا کریں اِن کو بانٹیں تا کہ آپؐ کی شان عظمت عالم پر ظاہر ہو۔
(بحوالہ تفسیر سورۃ الضحیٰ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ ایک دِن باہر تشریف لائے اور آپؐ نے شہداء اُحد پر اس طرح نماز پڑھی جِس طرح میّت پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد منبر پر تشریف لا کر فرمایا! میں آگے جا رہا ہوں مگر تمہارے لیے حاضر و ناظر رہونگا۔ اور خدا کی قسم میں اس وقت حوضِ کوثر کی طرف دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھ کو تمام روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں۔ خدا کی قسم مجھے اپنے اور تمہارے مُشرک ہو جانے کا خوف نہیں بلکہ اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ تم صرف دنیا ہی میں لگ جاؤ گے۔
(صحیح بخاری جلد دوم باب ۸۰۵ صفحہ ۳۵۹)

قرآنِ حکیم آپؐ کی نعمت بیان کرے، آپؐ کے ذکر کو بلند کرے اور احادیث آپ کی شان عالم پر ظاہر کریں۔ رب فرمائے کہ میں نے آپ کی عزّت و تکریم کے لیے اپنے نام کے ساتھ آپؐ کا نام اپنے ذکر کے ساتھ آپؐ کا ذکر لازم کر دیا اور ناسمجھ لوگ جو باتیں سرکارؐ کے لیے باعثِ افتخار ہیں ان کو گھٹائیں یا گمراہی اور جہالت کے سبب آپ ﷺ کو عطا کئے

گئے درجات اور اعزازات کو خدائی صفت کے درجہ عالی کے ساتھ مخلوط کریں تو یہ گمراہی، حد درجہ جہالت اور بدعت ہے اور اس کی بنا صِرف عداوتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی تصنیف کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ انبیاء کے حال میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو آپؒ نے فرمایا یہ احاطہ بیان سے باہر ہے کیونکہ ہمیں انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کچھ دخل نہیں۔ ان کے حق میں جو کچھ بھی ہم تصور کرتے ہیں وہ سب ہم خود ہوتے ہیں حقِ تعالیٰ نے ان کے نفی و اثبات کو ایسے درجہ میں رکھ دیا ہے کہ اِنسان کی نظر وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ پس جس طرح اولیاء اکرام کا رتبہ لوگوں کے ادراک سے بالا ہے اسی طرح انبیاء اولیاء کے ادراک سے بھی بالا ہیں۔ (کشف المحجوب صفحہ ۳۵۹)

اب رہا دور و نزدیک سے سُننے اور دیکھنے کا سوال اور غیبت زماں اور مکاں کے حجاب۔ قرآن و حدیث کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ صفت بھی اللہ تعالی کی ذات عالی کے ساتھ مخصوص نہیں خلق کی ابنائے جنس کو بھی اللہ تعالی نے یہ صلاحیت و سعادت دی ہے۔ تو اِدھر بھی ہر دو درجوں کو واضح طور پر سمجھنا چاہیے۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ وہ کسی بھی وقت کسی بھی خِطّے میں جہاں جہاں بھی اموات ہوتی ہیں وہ ہی روح قبض کرتے ہیں۔ کیونکر اور کس طرح تو آپکی عقل اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے کی خوشبو بِلا شک و شبہ جان لی جو کہ مصر سے چلا ہی تھا۔ (بحوالہ سورۃ یوسف)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی آمد کا چیونٹیوں کی سردار کو معلوم ہو گیا اور تین میل کے فاصلے کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی گفتگو سن لی اور مسکرائے۔ (بحوالہ سورۃ نمل)

یہ تو ہوئی پیغمبروں کی بات، سورۃ نمل میں ہی ذکر ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی ایماء پر انکے وزیر آصف بن برخیاہؑ نے ملکہ بلقیس کا تخت کئی سمندر پار دیکھ لیا کہ کہاں ہے اور پلک جھپکتے ہی لے آئے۔ دعوے کے ساتھ یہ تو اللہ تعالی کے ولی تھے۔ (بحوالہ سورۃ نمل)

اسی طرح حضرت عمر فارُوق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا جمعہ کے خطبہ کے دوران با آوازِ بلند یا ساریہ الجبل الجبل الجبل فرمانا جبکہ حضرت ساریہؓ کا لشکر سینکڑوں میل دور نہاوند کے شہر میں تھا۔ جب وہ لوگ ایک مہینہ کے بعد واپس مدینہ پاک آئے تو انہوں نے فرمایا کہ جب ہم نے حضرت عمر فاروقؓ کی ندا کو سُنا تو فوراً جبل کی طرف متوجہ ہوئے اور دشمن کے حملے سے ہوشیار ہو کر اپنا بچاؤ کیا۔ (بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

غیبتِ زماں اور مکاں کے حجاب:

متفقہ علیہ ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو مکّہ میں جب کافروں نے سولی پر چڑھا دیا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلّم مدینہ شریف میں مسجد نبوی کے اندر بیٹھے ہوئے اس کو دیکھ رہے تھے اور کافران سے جو سلوک کر رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اس کو اپنے اصحاب سے بیان فرما رہے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیبؓ کی آنکھ پر سے حجاب ہٹا دیا یہاں تک کہ انہوں نے بھی حضورؐ کو دیکھ لیا اور آپ کو سلام کیا اور خداوند تعالیٰ نے اِن کا سلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کے گوش مبارک تک پہنچا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا

جواب ان کو سنوا دیا اور آپؐ نے خبیبؓ کے لیے دعا کی یہاں تک کہ ان کا رُخ قبلہ کی طرف واصل بحق ہو کر ہو گیا۔

سب کے اتفاق سے غائب کو دیکھ لینا خلافِ عادت ہے اور حضرت خبیبؓ کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کو مکہ سے دیکھ لینا انکی کرامت تھی۔ تو معلوم ہوا آپؐ کے پردہ فرمانے سے پہلے غیبت مکاں کے حجاب کی آپؐ کے لیے کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اسی طرح متاخرین کے لیے غیبت زماں کی کوئی حیثیت نہیں۔ ''جیسا کہ غیبت زماں اور غیبت مکاں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا''۔ (کشف المحجوب)

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے جیسا کہ بعض معترضین کہتے ہیں کہ جب مکاں و زماں کی کوئی قید نہیں تھی تو مکّہ سے مدینہ کیوں بدقت تمام قصّہ فرمایا اور اسی طرح کے دوسرے واقعات کا آپؐ کی ذات سے منسوب ہونا تو انہی واقعات کو معترضین بہانہ بنا کر بدعت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان سے کسی کو انکار نہیں بشمول اس کے کہ بدقت تمام آپؐ نے مکّہ سے مدینہ کا قصد فرمایا لیکن اس کے ساتھ ہی قرآنِ حکیم میں آپؐ کی نسبت ربّ تعالیٰ فرماتے ہیں،

> ''پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی کہ دکھا دیں ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے''۔
>
> (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱)
>
> ''بیشک (آپ نے) اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

(سورۃ النجم آیت ۱۸)

قدرت کی عظیم نشانیاں یہ کہ تھوڑی ہی دیر میں آپؐ مکّہ معظّمہ سے بیت المقدس پہنچے۔ جو لوگ معراج کے واقعہ میں جسم کے ثقل کو بلند ہونے میں مانع سمجھتے ہیں وہ اہل بدعت اور مُنکرِ قدرت ہیں (تفسیر حسینی) ۔تو اتر کے ساتھ احادیث اور صحیح روایات ہیں کہ بیت المقدس میں تمام ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو آپ سُلطان الانبیاء علیہ صلوٰۃ وسلام نے امامت فرمائی پھر آپ سیر سمٰوات کیطرف متوجہ ہوئے اور پھر ہر ہر آسمان پر وہاں کے صاحبِ مقام انبیاء علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور آسمانوں کے عجائب وغرائب پر مطلع ہوئے۔حضرت جبرئیل علیہ السلام حجاب نور کے قریب آپؐ کی رفاقت سے باز رہے اور عرض کی اب اگر ذرا بھی میں بڑھوں تو جل جاؤں۔وہاں سے تنہا آپؐ تمام حجابات طے فرماتے ہوئے ایسے مقام پر پہنچے کے براق بھی چلنے سے باز رہا پھر رفرف پر آپؐ سوار ہوئے اور پایہ عرش کے قریب پہنچے اور ہزار بار درگاہِ الٰہی سے اُذنُ مِنّی کا خطاب سنا یعنی ''قریب ہوجا مجھ سے''۔اور ہر بار آپ صلی اللہ علیہ وسلّم انعامات الٰہیہ اور خصائص سے سرفراز ہوتے رہے یہاں تک کہ عرشِ عظیم کے بچھونے پر قدم مبارک رکھا اور وہاں سے فتدلّٰی کی نظرگاہ پر پہنچے پھر وکان قاب قوسین اوُادنیٰ کی خلوتِ خاص میں داخل ہوئے۔فَاوحیٰ اِلیٰ عبدِہٖ مَااوحیٰ کے اسرار سنے۔اور صحیح روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ان کلمات سے ثنائے الٰہی ادا کی کہ التّحیَّاتُ لِلّٰہِ وَاالصَّلوٰت واطَّیِّبَاتُ اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھا النَّبی وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرکَاتہٗ کے خطاب کا اعزاز ومرتبہ پایا۔ اوراس سلام کے خلعت میں اپنی امت کو بھی داخل فرمایا۔اور پھرتے وقت جنت اور اسکے

درجات اور دوزخ اور اس کے درکات آپکو دکھائے، نماز کا ہدیہ امت کے واسطے معین ہوا اور آپؐ بیت المقدس میں پھر آئے اور مکہ معظّمہ کی طرف متوجہ ہوئے، راہ میں قریش کے قافلے دیکھے اور اس سفر معراج میں تین یا چار ساعت کی دیر لگی۔

احادیث میں بیان ہے جب صبح آپؐ نے معراج کا واقعہ بیان فرمایا تو مسلمانوں نے تصدیق کی اور کافروں نے کہا یہ بات عقل سے بہت بعید ہے۔ بیت المقدس کی نشانیاں پوچھیں فوراً وہ مسجد نظر انور کے سامنے تھی جو کچھ کفّار پوچھتے آپؐ بے تکلف بتا دیتے۔ کافروں نے اپنے قافلوں کی خبر پوچھی آپؐ نے مفصّل فرمادی۔ توفیق الٰہی جس کے شامل حال نہ ہوئی اس نے انکار و تکذیب کی، منافق اور موافق میں امتیاز ہوا۔ غرض یہ کہ معراج کا واقعہ تمام صحابہ کی معتبر احادیث سے متواترہ ثابت ہے۔ اس آیت میں اِنَّـہٗ کی ضمیر مفسرین رسول علیہ صلوٰۃ والسلام کی طرف کرتے ہیں۔ بحر الحقائق میں یہ معنی مذکور ہیں کہ ہم نے محمّد ﷺ کو وہ نشانیاں دکھائیں جو ہمارے جمال وجلال کے ساتھ مخصوص ہیں بیشک وہ سمیع ہیں ہماری سمع سے اور بصیر ہیں ہماری بصر سے۔ (تفسیر حسینی)

اب پہلے واقعہ میں بدقت تمام صحابہ اور آپ ﷺ کا چل کر جانا اور اس قسم کے دوسرے واقعات سے معلوم ہوا کہ ''کرامات خاص ہیں نہ کہ عام''۔ آپؐ تو کافروں کے گھیراؤ سے ہجرت کے موقع پر اس طرح تشریف لے آئے کہ انہیں گمان تک نہ ہوا لیکن اس کے باوجود اگر سب لوگ اسی طرح یا تھوڑے وقت میں طویل مسافت طے کر کے چلے جاتے تو کرامات یا خلافِ عادات عام ہو جائیں اور ایمانِ غیبی عینی ہو جاتا اور ایمان غیبی کے تمام احکامات اٹھ جاتے۔ تو معلوم ہوا ہمارا ایمان عام ایمان ہے اور ولایت کا ایمان خاص اور

محل خاص۔ پس خدائے بزرگ و برتر نے ایمان بالغیب کے عام حکم کے تحت اور شرع ثابت کرنے کے لیے ایک طرف تو پیغمبر علیہ صلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ساتھ عام عادات وواقعات کا حکم فرمایا تو دوسری طرف معجزہ وکمالات اور کرامات کو ثابت کرنے کے لیے پیغمبر علیہ صلوٰۃ والسلام کو ایک ہی رات میں مکہ مکّرمہ سے بیت المقدس اور وہاں سے قاب قوسین تک پہنچادیا اور تمام عالم کے اسرار ومغیبات آپؐ پر ظاہر فرمائے اور جب حضورؐ تشریف لائے تو ابھی رات بہت باقی تھی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایمان کے حکم میں آپؐ عام کے ساتھ عام تھے اور کرامت ومعجزہ کے حکم میں خاص کے ساتھ خاص۔ پس آپ کے کمالات اور تخصیص اور ولایت وکرامت کے ساتھ بعض بندوں کی تخصیص کی نفی کرنا گویا سب معانی کا انکار کرنا ہے جو موجب کفر ہے۔ تو شرک کا فتویٰ دینے والوں کو ان باتوں کو خوب سمجھ کر ''تذلل وانکساری اور شرف وعزت کے اصل درجہ کو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے ادب واکرام سے مخلوط نہیں کرنا چاہیے۔ حدیثِ پاک میں ارشاد ہے ،

اللہ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

(صحیح بخاری جلد سوئم باب ۲۱۷۲ صفحہ ۸۴۱)

اور قرآنِ کریم میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں،

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے پاس سُلجھی ہوئی آیتیں ارسال فرمائی ہیں اور منکر اس سے وہی ہوتے ہیں جو بدکردار ہیں (حق وصلاح کے

راستے سے ٹھکے ہوئے)۔ (سورۃ بقرہ)

یعنی اِن باتوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں لیکن جن کو تعظیم نبی نہیں وہ ایمان کی روشنی سے محروم ہیں ان کے لیے یہ اسرار ہیں اور وہ انکو نہیں سمجھ سکتے۔ اور شرک کے فتوے صادر کرنے والے دونوں درجات کے معانی نہ سمجھتے ہوئے خود ہی اپنے تئیں شرک میں مبتلا ہوتے رہیں گے۔

اِطلاقِ تادیب:

تو معلوم ہوا شرک فی العلم یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت عطا فرمایا انکی تعظیم کی جائے بلکہ شرک فی العلم یہ ہے کہ اپنے بنائے ہوئے معبودوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرح (نعوذ باللہ) علم ذاتی ہے اور وہ اس مقام پر ہیں کہ اللہ کے اِذن کے بغیر یعنی اپنے نفس الامر میں حاجت روا ہیں یہی حال شرک فی التصرف کے معنی میں ہوگا۔

آیاتِ متعلقہ شرک فی العبادات

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں اِن کی شانِ نزول مع تعلیم وتفسیر بیان کرنے کے بعد میں شرک فی العبادات کی وضاحت کی طرف آؤں گا تا کہ اِن آیات کی مشیت اور تادیب سے آگاہی ہو جائے۔

(۱) (یہود و نصاریٰ نے) اپنے پادروں اور درویشوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا خدا بنالیا اور انہیں حکم نہ تھا مگر یہ کہ ایک اللہ کو پوجیں اِس

کے سوا کسی کی بندگی نہیں اسے پاکی ہے ان کے شرک سے۔

(سورۃ توبہ آیت ۳۱)

شانِ نزول مع تفسیر: یہ آیتیں یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئیں تادیب کے واسطے۔ یہود و نصاریٰ حکم الٰہی چھوڑ کر اپنے جوگیوں اور پادریوں کے حکم کے پابند ہوئے کہ وہ حلال اور حرام کرنے میں انکی پابندی کرتے جیسی خدا کی کرنی چاہیے۔ اور سجدہ کرتے (تفسیر حسینی) انہوں نے یہ اعتقاد قائم کرلیا تھا کہ جو چیزیں ان پادریوں اور جوگیوں نے حلال کی ہیں وہ نفس الامر میں حلال ہیں اور جو ان لوگوں نے حرام کی ہیں وہ نفس الامر میں حرام ہیں۔ جیسا کہ تفسیر حسینی میں آیا ہے کہ وہ سجدہ کرتے تھے انہیں اور عیسٰی بن مریم کو خدا ٹھہراتے تھے اور کہتے ہیں وہ خدا کے بیٹے ہیں یا خدا نے ان میں حلول کیا ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ یہ بات نہ ان کی کتابوں میں ہے نہ ان کے انبیاء کی طرف سے ہے مگر یہ کہ عبادت کریں ایک خدا کی وحدانیت میں اور کوئی معبود نہیں ہے مگر وہ پاک ہے اس چیز سے کہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

(۲) تو کیا کافر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے بندوں کو میرے سوا حمائتی بنالیں گے۔ بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کو جہنم تیار کر رکھی ہے۔

(سورۃ الکھف آیت ۱۰۲)

تفسیر میں آتا ہے کہ یہ آیتیں اہل کتاب کے عقائد کے ردّ میں ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسٰیؑ، حضرت عُزیرؑ اور ملائکہ کو اللہ کے سِوا معبود ٹھہرایا۔ یہ استفہام انکار کے معنی میں ہے کہ اس سے انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

(۳) اور نبی تمہیں یہ حکم نہ دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہرالو بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا۔

(سورۃ آل عمران آیت ۸۰)

اس میں ردّ ہے مشرکوں کا جنہوں نے فرشتوں کی عبادت کی اور یہود و نصاریٰ کا جنہوں نے پیغمبروں کو معبود جانا۔ روایت ہے ابو رافع یہودی اور سید نصرانی نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہا یا محمد آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں اور آپ کو رب مانیں حضور علیہ صلوٰۃ وسلام نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ میں غیر اللہ کی عبادت کا حکم کروں نہ مجھے اللہ نے اس کا حکم دیا نہ مجھے اس لیے بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر آپؐ کی تائید فرمائی کہ یہ لوگ مرتبہ نبوّت و رسالت سے واقف نہیں نہ ہی عبادت و تدبر کی اصل اہمیت کو جانتے ہیں جبھی اپنے تئیں ایسا بکتے ہیں۔

(۴) جس دن وہ (اللہ) ان سب کو اٹھائے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ تمہیں پوجتے تھے وہ عرض کریں گے پاکی ہے تجھ کو تو ہی ہمارا دوست ہے نہ کہ وہ، بلکہ وہ تو جنات کو پوجتے تھے۔

(سورۃ سبا آیت ۶۱،۶۰)

یعنی قیامت کے دن باری تعالیٰ سب مشرکوں کو جمع کر کے فرمائے گا یہ سوال مشرکوں کے غلط اعتقاد رکھنے پر ہوگا تو فرشتے عرض کریں گے کہ جن اور شیاطین انواع واقسام کی صورتیں پکڑ کر ان پر ظاہر ہوتے تھے اور ان کے خیال میں ڈالتے تھے کہ ہم فرشتے ہیں جس کی کوئی سند ان لوگوں نے نہ پائی۔ اے اللہ تو ہی ہمارا معبود ہے ہم خود اپنے آپ کو تیری

عبادت میں کمی کرنے والا جانتے ہیں تو اپنا معبود ہونا کیونکر روا رکھیں گے۔(تفسیر حسینی)

(۵) اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو۔

(سورۃ جن آیت ۱۸)

یہود و نصاریٰ اپنے کلیساؤں اور گرجاؤں میں حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ جانتے ہوئے خدائی کے ساتھ یاد کرتے تھے اور ان کے مجسمے بنا کر سجود وغیرہ کیا کرتے، ذاتِ باری تعالیٰ سے ان کو مماثل اور رتبے میں برابری کرنے والے گردانتے جیسے ولد یا باپ۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بتایا کہ ان مساجد سے تمام روئے زمین مراد ہے کہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی مسجد ہے اِس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ''کردی گئی میرے واسطے تمام زمین مسجد اور پاک'' تو زمین کے کسی اور بقعہ میں خدا کی یاد کے ساتھ دوسرے کی بندگی جائز نہیں۔

تعلیم: مندرجہ بالا تمام آیات کا بغور مطالعہ کریں تو چار اہم نکات کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

۱۔ تحلیل و تحریم

۲۔ اللہ کی جناب میں شفاعت

۳۔ یہود کی نظر میں ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

۴۔ تمام روئے زمین پر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی سزاوار ہے۔

تشریح: تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کہ عالم تکوین سے یہ حکم جاری ہوتا ہے اور کسی بھی چیز کے اخذ یا ترک کا باعث ہوتا ہے اور حکم تکوین صفاتِ الٰہیہ میں سے ایک

صِفت ہے۔شارع مطہر نے تحلیل وتحریم کے معنی میں جو کچھ عطا فرمادیا حکم تکوین سے ہے۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے وسیلے سے ہی اپنے احکامات کا نزول فرماتا ہے۔آپؐ کا ارشاد اللہ تعالیٰ کی تحلیل وتحریم کی ایک قطعی علامت ہے نہ کہ یہ تحلیل وتکریم آنحضرتؐ کی جانب سے ہے یہی نسبت ائمہ مجتہدین کی طرف ہوتی ہے کہ انہوں نے شارع مطہر کے کلام سے یہ حکم اخذ کیا ہے اوراس کے وہ صرف راوی ہیں نہ یہ کہ حلال وحرام کرنا اِن کا حکم ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ کا اذن جن کو ہے ان کے سِوا کوئی کسی کی اللہ کی جناب میں حمایت یا شفاعت نہیں کرسکتا۔

تیسرا نکتہ یہ ہے جب یہود نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہا ''یا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں'' تو اللہ تعالیٰ تبارک تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ جسے رسالت ونبوّت سے سرفراز کرے اور وہ لوگوں کو یہ حکم کرے کہ میرے بندے ہوجاؤ ہاں بلکہ یہ کہے گا کہ اللہ والے ہوجاؤ۔ کیونکہ آپؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے اور یہ کہ عبادت میں درود وسلام یا ذکر محمدؐ سے نعوذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی عبادت مراد لی جائے تو یہود کا ایسا کہنا عداوتِ نبیؐ اور گمراہی کا سبب ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تائید فرمائی کہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو کچھ عبادت کی تدبیر اور اصل کے بارے میں فرمایا عین رضائے الٰہی ہے اور سیّد کائنات کے ذکر سے ہی رب کی عبادت کی جائے۔ان آیات میں ان لوگوں کو تادیب ہے جو یہود کی طرح اپنے خیال میں ذکرِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو غیر اللہ کی عبادت کہتے ہیں۔

چوتھا نکتہ یہ تھا کہ مساجد یا تمام روئے زمین میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت سزاوار ہے۔

جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ عبادت کی اصل اور تدبیر جو آپ نے تعلیم فرمائی اور جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہی عین عبادت ہے اور اطاعت ہے۔ جیسے نماز اوّلین عبادت ہے اس میں اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد وثناء ہے اور درود وسلام اور جو نعت قرآن میں مذکور ہے وہ پڑھتے ہیں تو معلوم ہوا۔

۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذکر سے ہی عبادت کا مفہوم ادا ہوتا ہے چاہے نماز کے اندر کیا جائے یا باہر کیا جائے یہی تعلیم ہے۔

۔ آپ ؐ کا ذکر اللہ کا شکر ہے، آپ ؐ کائنات میں رب کی سب سے بڑی نعمت ہیں اور نعمتوں کا شکر اِن کا چرچا ہے۔ سو آپ کی نعت وصفت بیان کرنے میں شکر کا مفہوم ادا ہوتا ہے۔

۔ آپ ؐ کا ذکر، تعظیم وتوقیر رب تعالیٰ کا حکم ہے خود خدا تعالیٰ آپ ؐ کا ثناء خواں اور فرشتے آپ ؐ پر درود بھیجتے رہتے ہیں اور جب بحکم رب زمین والے درود پڑھیں تو عالم علوی اور عالم سفلی کا اجماع ہو جائے یہی رب کا مقصود ہے۔

تفسیر ابن کثیر نے وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے سرکار علیہ صلوٰۃ والسلام کو خوشخبری سنائی کہ آپ کی عزت وجلال کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میں ذکر کیا جاؤں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا بھی ذکر کیا جائے۔ اسی ضمن میں صرصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت اچھی بات روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں، فرضوں کی اذان صحیح نہیں ہوتی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیارے اور میٹھے نام سے جو پسندیدہ اور اچھے منہ سے ادا ہو اور فرماتے ہیں کہ تم نہیں دیکھتے کہ ہماری اذان اور ہمارا فرض صحیح نہیں ہوتا جب تک آپ ﷺ کا ذکر بار بار اس میں نہ آئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تادیب واطلاق: اب اگر کوئی کہے کہ ذکر محمدؐ شرک فی العبادات ہے تو نہ تو اس نے عبادت کے مفہوم کو سمجھا اور نہ ہی اس نے توحید و رسالت کے مراتب کو جانا۔ ان آیات کی تادیب کا اطلاق تو ان پر ہوگا جو کسی بھی مخلوق کو خدا کے وجود کی طرح یعنی واجب الوجود گر دانتے ہوں اور درجہ الہویت پر انہیں فائز سمجھتے ہوں اور نفس الامر میں تحلیل و تحریم کا مختار اور مدبر حقیقی جانتے ہوں اور عداوتِ نبیؐ میں مبتلا ہوں یقیناً وہ یہود و نصاریٰ کے گروہ سے ہیں۔ کتنی عظیم غلطی ہے کہ سرکار علیہ صلوٰۃ وسلام کے ذکر کو مشرکین اور اہلِ کتاب کی عبادت کے مماثل گردانا جائے اور سرکارؐ کے نام کو اللہ کی زمین میں بلند کئے جانے سے روکا جائے اور یہی کچھ جان کر ان آیات قرآنی کی تادیب کسی مسلمان پر چسپاں کی جائے۔

باب۲: تعریف بدعت

بدعت: بدعت کی تعریف یہ ہے کہ جو بات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اعمال و اوراد دینی یعنی اسوۂ حسنہ سے نہیں ملتی اور آنجناب صلوٰۃ والسلام کی نقل مکانی کے بعد نئی باتیں دین میں شامل کرنا بدعت ہے۔ خاص طور پر جن باتوں کو منع فرمایا ہے ان کو دین میں شامل کرنا یقیناً گمراہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا،

''کل بدعنة ضلالة، کل ضلالة فی النار''

ترجمہ: دین میں ہر نئی چیز کی ایجاد گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔ (مسلم شریف)

عبادت کا مفہوم آپؐ کی پیروی اور اطاعت ہے چاہے دنیاوی امور میں یا دینی امور میں،

تمام اعمال حسنہ کی روح سرکار علیہ صلوٰۃ وسلام کی محبت ہے۔اس ہی لیے فرمایا، جب تک تم مجھے اپنی جان، مال، اولاد اور تمام رشتہ داروں سے عزیز تر نہ رکھو گے تمہارا ایمان ہی مکمل نہ ہوگا۔سوایسی تمام باتیں دین میں متعارف کرانا جو سرکارِ علیہ صلوٰۃ والسلام کے خصائص اور عظمت وشان کے اظہار کے خلاف ہوں دین کے مقاصد سے ہٹ کر ہیں بدعت سیَہ ہیں۔نیز

۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اندر سے پکی اینٹوں کی قبریں بنانے کے لیے منع فرمایا۔(عالمگیری)

۔ مسجدوں کو کلیساؤں اور مندروں کی طرح آراستہ کرنا منع فرمایا۔

۔ فوٹو بنانا، بنوانا، مٹی یا پلاسٹک کے انسانی مجسمے بنانے یا بنوانے پر تادیب ہے۔

۔ مضامیر کے ساتھ گانا بجانا، سُننا مثلاً ڈھول، سرنگی، ستار، ہارمونیم بانسری اور اسی قِسم کے آلاتِ غنا جس میں آواز گونجتی ہو جائز نہیں۔

۔ قرآنی احکامات کے تحت عورتوں پر پردہ لازم قرار دیا گیا جو لوگ حضرت فاطمۃ الزھراؓ کے زخمیوں کی نرسنگ کے جواز میں استدلال پیش کرتے ہیں وہ دراصل آیات پردہ کے نزول سے قبل کی بات ہے، جس طرح شراب پی جاتی تھی بعد میں حرام ہوئی۔عورتوں کے متعلق علم حاصل کرنے والی احادیث بیان کر کے اس طرح کے جواز پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ بھی غلط ہے۔

۔ موجودہ تعلیم، طریقہ تعلیم، نصابِ تعلیم غیر اسلامی اور غیر شرعی ہے۔جس کا روحِ اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

۔ نیل پالش، سُرخی وغیرہ قطعی ناجائز، نیل پالش اورلپ اسٹک جو کہ الکحل کی آمیزش سے تیار کی جاتی ہے اس لیے اس کا استعمال ناجائز ہے دوسری بات ناخنوں پر پالش گویا ایک قِسم کا پینٹ ہے وضو میں ناخنوں کا بھیگنا ضروری ہے اور پینٹ کی وجہ سے یہ ممکن نہیں اس لیے جب وضو ہی نہیں ہوگا تو نماز کب ہوگی۔

۔ لڑکی اور لڑکے کی شادی سے قبل دیکھنا، دِکھانا ضروری ہے، نیز دونوں کی رضا مندی نِکاح کی ایک شرطِ اوّلین ہے لیکن اس دینی ضرورت کو دنیاوی مصلحتوں پر قربان کر دیا گیا۔ جہیز اور مہر کا حالیہ مروّجہ معاملہ بھی خلاف شرع ہے۔

۔ بالغ لڑکی کی شادی اگر کُف (برادری) میں مناسب رشتہ نہ مِلے تو کِسی بھی مسلمان پابند شریعت سے بلا تاخیر شادی کر دی جائے۔ زائد عمر تک لڑکیوں کو دانستہ بٹھانا خلافِ شریعت ہے۔

۔ سالگرہ منانا، کیک کاٹنا، دکانوں کے افتتاح پر فیتے کاٹنے کی رسم، چوتھی چالے مہندی کی رسم شادی بیاہ میں یہ سب بدعات ہیں۔

۔ ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر کے رائج پروگرام خلافِ شریعت اور بدعات ہیں۔

۔ لباس جو آج کل عورتوں میں رائج ہے سِتر پوشی کم نمائش اور برہنگی زیادہ جس کے متعلق سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اخیر زمانہ میں عورتیں باریک لباس زیبِ تن کریں گی وہ سب ننگی ہوں گی۔

تصویر کا دوسرا رُخ: سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو بات قرآن وحدیث یا میرے اسوۂ حسنہ میں نہ ملے تو اس وقت کے علماء کرام اور مجتہدین اجتہاد کر کے جواز یا عدم

جواز کے مسئلے کو مِل کر طے کریں۔(متفقہ علیہ) اب یہاں سے تمام بدعات بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ میں تقسیم ہوئیں۔علماء کے بھی دو گروہ ہو گئے علماءِ سُوء اور علماءِ حق۔بصورتِ دیگر کیا وہ ساری باتیں جو آپؐ کی نقل مکانی کے بعد خلفائے راشدین، صحابہ کرامؓ اور علمائے دین نے رواج دیں کیا وہ سب شرک یا قابلِ گرفت ہیں۔ مثلاً

۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے بیس (۲۰) رکعت تراویح کو جاری کیا۔

۔ سیدنا عثمانِ غنیؓ نے مسجد نبوی کو پکی اینٹوں سے تعمیر کرایا اور جمعہ کی تزئین کے لیے ایک اذان کا اضافہ کیا۔

۔ اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مساجد کے لیے بلند منارہ تعمیر کرنے کی ہدایت کی تا کہ مسافروں کو مسجد کا محل وقوع اور مسلم محلّہ کا علم ہو جائے۔

اسی سلسلے میں صحیح مسلم شریف کی حدیثِ مبارکہ ملاحظہ فرمایئے، رسول اللہؐ نے فرمایا!

> جو شخص اسلام میں کوئی اچھی بات نکالے تو اس کے لیے اپنا اس کا ایک اجر ہے پھر لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں تو اسکو اتنا ثواب ہو گا جتنا سب عمل کرنے والوں کو ہوگا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی اور جو کوئی اسلام میں کوئی بُرا طریقہ جاری کرے تو اس پر اس کا اپنا گناہ ہے اور ان لوگوں کے برابر گناہ ہے جو اس کے جاری کئے ہوئے طریقہ پر عمل کریں بغیر اس کے کہ ان کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہو۔
>
> (مسلم شریف جلد ۶، ابنِ ماجد ترمذی شریف صفحہ ۲۷۵)

اس حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّہ کی طرف رہنمائی ہے یعنی جو باتیں دین میں نہیں ہیں اور نہ دین کے مقاصد سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ ان کے خلاف ہیں وہ بدعتِ سیّہ ہیں۔

اور بدعت حسنہ کی تعریف یہ ہے جو نئی بات دین میں باعثِ شوکتِ اسلام ہو جائز قرار دیدی گئی سو مسجدیں پکی اور گھر پکے بنانے کا اجتہاد ہوا وہ حسنہ ہوگئیں۔ کچی سے پکی قبریں بنانے کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح ہوگیا کہ اندر سے خام رہیں یعنی جو حصّہ میّت کے جسم سے قریب ہے (عالمگیری) اور اوپر سے پختہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (بہار شریعت)

از روئے شریعت کسی فعل کے جائز ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ممانعت کا نہ ہونا خود فعل کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔ خیریت یہ ہے کہ شاہ مسعود نے تمام جنت البقیع کی قبروں کو بدعت کی آڑ میں ڈھا کر برابر کر دیا اور روضہ رسول علیہ صلوٰۃ والسلام کو اپنے تئیں خدا جانے کس مصلحت کی بناء پر چھوڑ دیا اور اپنے لیے ریاض میں ایئر کنڈیشنڈ محل تعمیر کرالیا۔ مکّہ اور مدینہ میں زور و شور سے توسیع کا کام جاری ہے، مسجد نبویؐ کی تزئین کی جارہی ہے قالینوں اور پردوں کا اہتمام ہے اور یہ سب کچھ اجتہاد فی الدین ہے۔ فوٹو کا معاملہ، پاسپورٹ اور شناختی کارڈ پر تصویر ضرورت میں داخل کرنے کا اجتہاد ہوگیا۔ گانا بجانا مضامیر کے ساتھ دورِ حاضر کے صوفیائے کرام نے جائز کرلیا مزارات پر اسکے بہانے میلے لگنے لگے، قوالیاں، ناچ رنگ شروع ہوگئے اور چرس ہیروئن کا کاروبار اعانت پانے لگا، چرسی ملنگ درویش بن گئے۔

ہماری بے عملی سے قوانین اسلام پر کوئی اثر نہ ہوگا وہ اپنی جگہ اٹل ہیں ہاں البتہ مسلمان اپنی

بے عملی کی سزا دنیا و آخرت میں پائیں گے ہم مسلمانوں پر اللہ تبارک تعالیٰ نے دو حقوق رکھے ہیں، حقوق العباد اور حقوق اللہ۔ یہ دونوں معروف ہیں محتاجِ تشریح نہیں اور انہی پر قیامت میں باز پرس ہوگی۔ میں نے متذکرہ بالا حقائق بلا خوف و تردّد بیان کر دیئے اِن حقائق کی روشنی میں آپ اپنی راہ عمل طے کر سکتے ہیں۔ جو لوگ ابتدائی زمانے میں مسلمان ہوئے تاریخ شاہد ہے انہوں نے اپنے عقائد اور تمام رسومات ترک کر کے سرکارِ دو عالمؐ کے ہر حکم کی بجا آوری کو اپنا نصب العین بنا لیا تھا۔ لہٰذا ایسی رسومات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس سے آپؐ نے اعراض فرمایا۔ یہ تو ہم ہیں جو پسند آیا دین میں داخل کر لیا اور جو ناپسند ہوا دین سے خارج کر دیا سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ جس ماحول میں بچہ پیدا ہوتا ہے وہی سب کچھ اس کے فکر و ذہن پر طاری ہو جاتا ہے جو اس کے خاندان میں رائج ہے اسی لیے حدود اللہ کی شرط سن بلوغ سے ملزوم ہے۔ اس سے قبل کی باز پرس نہیں جب وہ خود مختاری کی زندگی میں قدم رکھتا ہے روزی کی تلاش کرتا ہے وہیں سے دین کی جستجو اس پر لازم آتی ہے۔ اب اگر وہ غفلت کرتا ہے تو خدا کے سامنے جوابدہ ہے اس لیے صحیح تفہیم دین ہر مسلمان کا فرضِ عین ہے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں جائز و ناجائز کا بنیادی قانون یہ ہے کہ جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے منع کیا وہ ناجائز اور حرام ہیں۔ ان کے علاوہ جن امور کے متعلق شریعت خاموش ہے وہ حلال و جواز کے مرتبے میں ہیں۔ اِلّا یہ کہ ان میں حرام ہونے کی علّت پائی جائے۔ شروع سے آج تک علمائے دین کا مصدقہ قاعدہ یہی ہے کہ کسی چیز کو حرام و ناجائز کہنے کے لیے قرآن و حدیث پر مبنی قیاس و اختیار سے دلیل لانا

چاہیے اگر ناجائز ہونے کی دلیل نہیں ملتی تو وہ چیز جائز قرار دی جائے گی۔اسلام دینِ آخر ہے نئی ایجادات، نئے معاشرے، نئے اسباب ووسائل ظاہر ہوں گے ان کے جائز وناجائز ہونے کا فیصلہ اسی قاعدہ کلیہ کے تحت ہوگا۔ یہ سب کچھ لکھنے کے بعد میں ان باتوں کی تشریح کی طرف آؤں گا جو عموماً لوگ سوال کرتے ہیں اور جن کے جوابات جاننا ضروری ہیں۔یعنی

- ☆ نیاز ونذر،سوئم وچہلم یا ایصال ثواب
- ☆ زیارت قبور
- ☆ وسیلہ یا واسطہ سے دعا یا مدد مانگنا
- ☆ میلاد شریف
- ☆ مسئلہ قیام
- ☆ صلوٰۃ وسلام
- ☆ انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

نیاز ونذر سوئم چہلم یا ایصالِ ثواب:

نیاز ونذر کا معاملہ کچھ اس طرح ہے کہ جب ہابیل اور قابیل کا تنازعہ بسلسلہ شادی ہوا تو اس کے حل کے لیے انہوں نے نذر ونیاز کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ دنیا کی پہلی نذر تھی ،اس وقت کے قاعدے کے مطابق نذر کی چیز میدان میں رکھ دی جاتی تھی۔جس کی قبول ہوتی آسمان سے ایک شعلہ آتا اور اسے جلا دیتا، ہابیل کی نذر قبول ہوئی اور قابیل نے حسد کی بناء پر اسے قتل کرنے کا ارادہ کرلیا جس پر ہابیل نے بعینہ قرآن حکیم جواب دیا کہ ’’اللہ

پرہیزگاروں کی نیاز قبول فرماتا ہے اور تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ چلایا تو میں تجھ پر قتل کے لیے ہاتھ نہ چلاؤں گا مجھے رب سے ڈر لگتا ہے'' (بحوالہ سورۃ مائدہ آیت ۲۷)۔
آج بھی بیمار صدقے کی نذر مانتا ہے اور صحتیاب ہونے پر بکرا وغیرہ قربان کرتا ہے، کوئی روزے رکھنے کی نذر مانتا ہے اور اپنے مسائل حل ہوجانے کے لیے کوئی نوافل پڑھنے کا وعدہ کرتا ہے اس کو پورا کرنا چاہیے ورنہ اللہ سے بدعہدی ہوگی۔

حدیث مبارکہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے ایک نذر کے متعلق مسئلہ پوچھا جو ان کی ماں کے ذمہ واجب تھی اور وہ اس کے ادا کرنے سے پہلے انتقال کر گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو حکم دیا کہ ماں کی طرف سے نذر ادا کرے اور یہی بعد میں سنت بن گیا۔

(صحیح بخاری جلد سوئم/باب ۱۶۰۲)

اب سوئم، چہلم اس قسم کی بدعاتِ حسنہ کے نام سے موسوم ہیں اور بالجواز ہیں۔ میرے خیال میں اگر کوئی شخص چہلم سوئم یا کسی قسم کی نذر زندگی بھر نہیں کرتا تو قیامت میں ہرگز اس مسئلے میں باز پرس نہیں ہوگی۔

ایصالِ ثواب موجب برکات ہے اور مستحب ہے، براہِ ادب اسے نذر و نیاز کہتے ہیں۔ اسلام میں زیادہ سوگ منانا منع ہے، تین یوم تک بغرضِ ایصالِ ثواب میں مجھے تو کوئی شرعی قباحت نہیں ملی، تیسرا دن چونکہ سوگ کا عرفاً آخری دن ہے اس لیے اس میں عموماً قرآن

خوانی کی جاتی ہے، بطورِ اہتمام اس کو رسمِ سوئم کہتے ہیں۔ تین دن متواتر قرآن خوانی کرنے سے اقرباء کو جو مرنے والے کی جدائی کا رنج دل میں محسول ہوتا ہے قرآن خوانی سے اطمینان اور سکون میسر آجاتا ہے اور اس کو پڑھنے کا ثواب میّت کو بطورِ ثواب جاریہ پہنچتا ہے۔ اب یہ سوئم چہلم کی تخصیصات کوئی شرعی جواز تو نہیں رکھتیں، ایصالِ ثواب کبھی بھی کیا جاسکتا ہے یہ محض رواج اور عرفی بات ہے۔ اسی طرح جو لوگ قرآن نہیں پڑھ سکتے وہ سوا لاکھ مرتبہ کلمہ پڑھ کر مرنے والے کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ اب کلمہ پتھروں پر پڑھو یا تسبیحوں پر پڑھو یا چنوں پر مقصد کلمہ شمار کرنے کا ہے۔ اب جو سوئم میں لوگ جمع ہوتے ہیں انکے کھانے وغیرہ کا بندوبست کیا جاتا ہے، جس میں عموماً نمائش زیادہ اور اسراف بے جا ہوتا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ یہی حال کچھ چالیسواں کا ہے نہ یہ فرض ہے نہ واجب ایک دستور خوش اسلوب ضرور ہے۔ بخاری شریف کی حدیثِ پاک ہے،

> حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے رسولِ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مہینہ تک دعائے قنوت پڑھی جب کہ ضرارؓ شہید کئے گئے میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو کبھی اس سے زیادہ شدّتِ غم کی حالت میں نہیں دیکھا۔ (صحیح بخاری جلد اول/باب ۱۲۱۶)

میرے خیال میں ایصالِ ثواب کے مسئلے کے حل کے لیے مندرجہ ذیل احادیثِ مبارکہ تشفی بخش ہوں گی۔

۱۔ حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے اور اس کی رحمت ہے کہ

اگر وہ قبر میں گناہ گار داخل ہوں گے تو مسلمانوں کی دعا اور استغفار کی برکت سے قبروں سے بے گناہ اٹھیں گے۔ گویا ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (طبرانی)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل موقوف ہوجاتا ہے۔ مگر تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے۔

۱۔ ایک صدقہ جاریہ کا۔

۲۔ دوسرے اس علم کا جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔

۳۔ تیسرے نیک بخت بچے کا جو اسکے لیے دعا کرے۔ (صحیح مسلم شریف)

زیارتِ قبور:

میں اپنی پچھلی تحریر ''ہم اللہ کو کیوں مانیں''، میں مرنے کے بعد روح اور جسم کے تعلق کی تشریح قرآن وحدیث کی روشنی میں کر چکا ہوں۔ مرنے کے بعد بھی جسم پر جو کیفیات گزرتی ہیں روح اس کا بعینہٖ ادراک کرتی ہے۔ نیکوکار کی قبر پر رحمت ورافت کا نزول ہوتا ہے جب کہ بدکاروں کی قبر پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ سو نیک بندوں کی قبور پر جانا مسلمان کے لیے سعادت وبرکت ہے، وہ اپنی قبروں میں حیاتِ ابدی کے ساتھ زندہ ہیں، اِن کا علم وادراک، سمع وبصر پہلے کی بہ نسبت زیادہ قوی ہیں اور وہ اپنی تکمیل کی طرف رواں ہیں۔ حدیثِ پاک:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو

صبح وشام اس کے سامنے اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہل
جنّت میں سے ہے اور اگر وہ اہلِ دوزخ میں سے ہے تو کہا جاتا ہے
کہ یہ قیامت کے دن اٹھائے جانے تک تمہارا ٹھکانہ ہے۔
(صحیح بخاری جلد اوّل باب ۸۷۲)

زیارتِ قبور اور آدابِ زیارت قبور کے بارے میں تواتر کے ساتھ احادیث مذکور ہیں،

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے رسول اللہؐ نے فرمایا میں نے تمہیں
زیارت قبور سے منع کیا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کہ وہ دنیا
سے بے رغبتی کا سبب ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔ (ابنِ ماجہ)

اوائلِ اسلام میں چونکہ اسلامی تشخص ہنوز ارتقاء میں تھا اور اس بات کے خطرے کے پیش نظر کہ لوگ اپنے باپ دادا کی قبروں پر پرانی مشرکانہ رسم وروایات میں مبتلا نہ ہو جائیں، اس لیے بعد میں جب تعلیماتِ اسلامی لوگوں تک پوری طرح پہنچ گئیں تو آپؐ نے زیارتِ قبور کے لیے فرمایا اور خود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بقیع قبرستان تشریف لے جاتے اور وہاں اہل قبور کے لیے دعا فرماتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلّم کی باری جب میرے پاس ہوئی تھی تو اخیر رات
میں وہ بقیع کی طرف نکل جاتے تھے اور فرماتے تھے۔ ''سلام ہے تم پر
اے گھر والے مومنو! آچکا تمہارے پاس جس کا تمہیں وعدہ تھا کہ
نکل پاؤ گے ایک مدّت کے بعد اور ہم اگر اللہ نے چاہا تم سے مِلنے

والے ہیں یا اللہ بخش بقیع غرقہ والوں کو۔

آدابِ زیارت قبور:

مرنے کے بعد مسلمان کی روح حسبِ مرتبہ مختلف مقامات میں رہتی ہے مگر کہیں بھی ہو اپنے جسم سے تعلق اس کو بدستور رہتا ہے جو کوئی قبر پر آئے اسے دیکھتے پہچانتے اور اسکی بات سنتے ہیں بلکہ روح کا دیکھنا قرب قبر سے ہی مخصوص نہیں۔اس کی مثال حدیث پاک میں یہ فرمائی ہے کہ ایک طائر پہلے ایک قفس میں بند تھا اور اب آزاد کر دیا گیا۔

(بہار شریعت باب اول و چہارم)

حدیثِ پاک:

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ میں قبور کے پاس گزرے تو اُدھر کو روئے مبارک کرلیا اور فرمایا۔

اسلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالا اثر (ترجمہ) السلام علیکم اے قبر والوں اللہ ہماری اور تمہاری بخشش فرمائے تم ہم سے پہلے گزر گئے اور ہم تم سے ملنے والے ہیں۔

زیارتِ قبور کا طریقہ یہ ہے کہ قبرستان میں داخل ہوتے وقت کہے السلام علیکم یا اہل القبور یا اوپر حدیث میں بیان کی گئی پوری دعا پڑھے پھر متعلقہ قبر کی پائنتی کی جانب سے جا کر میت کے چہرے کے سامنے کھڑا ہو پھر سلام کرے اور فاتحہ پڑھے اور بیٹھنا چاہے تو

اتنے فاصلے سے بیٹھے جیسے اس کے پاس زندگی میں بیٹھتا ہو۔ فاتحہ کے بعد احادیث میں کئی روایتیں ہیں ایک روایت ہے کہ گیارہ مرتبہ قُل ھُوَ اللّٰہ شریف پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو پہنچائے تو مُردوں کی گنتی کے برابر اسے ثواب ملے گا۔ قبر پر ہری ٹہنی لگانا سُنّت ہے اور اسی طرح پھول ڈالنا مستحب کہ جب تک تر رہیں گے تسبیح کریں گے اور میّت کا دل بہلے گا (بحوالہ درمختار)۔ اس کے علاوہ مسئلہ یہ ہے کہ، دفن کے بعد قبر پر اتنی دیر تک ٹھہرنا مستحب ہے جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے گوشت تقسیم کر دیا جائے۔ اس طرح رہنے سے میت کو انس ہوگا اور نکیرین کا جواب دینے میں وحشت نہ ہوگی۔ اتنی دیر تک تلاوت قرآن پاک اور میّت کے لیے دعا و استغفار کریں۔ (جوہرہ، بہار شریعت باب چہارم)

حدیث شریف میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے جب کوئی تمہارا مسلمان بھائی انتقال کرے اور اسکی مٹی دے چکو تو تم میں سے ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے۔

یا فلاں بن فلاں! وہ سُنے گا اور جواب نہ دے گا ، پھر کہے کہ یا فلاں بن فلاں!

وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا، پھر کہے فلاں بن فلاں! وہ کہے گا ارشاد کر اللہ تجھ پر رحم فرمائے (مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہیں ہوتی) پھر کہے تو اسے یاد کر جس پر تو دنیا سے نکلا یعنی یہ گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اس کے بندے اور رسول ہیں، اور یہ کہ تُو اللہ کے رب اور اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے نبی اور قرآن کے امام ہونے پر راضی تھا۔ نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے اس پر کسی نے حضورؐ سے عرض کیا اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ تو فرمایا حوّا کی طرف نسبت کرے (الکبیر الضیاء فی الاحکام)۔

اوراعلیٰ حضرت مفتی احمد رضا صاحبؒ نے اس پر اتنا اور اضافہ فرمایا ،

ترجمہ: اور جان لے کہ یہ دو شخص جو تیرے پاس آئیں گے یہ اللہ کے بندے ہیں بغیر خدا کے حکم کے نہ ضرر پہنچا ئیں نہ نفع پس نہ خوف کر نہ غم کر اور تو گواہی دے کہ تیرا رب اللہ ہے اور تیرا دین اسلام ہے اور تیرے نبی محمدؐ ہیں۔ اللہ ہمیں اور تمہیں قول ثابت پر ثابت رکھے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(بہار شریعت)

وسیلہ واسطہ سے دعا یا مدد مانگنا:

کائنات کی تمام انواع اللہ تبارک تعالیٰ کی تسبیح و تحلیل میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم پوری کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم میری صفات پر ہو بہو ایمان لا کر میری طرف آؤ۔ ذات وصفات الٰہیہ پر کیوں اور کس طرح یہ سوچنا منع ہے یہ خالقِ کی طرف سے پابندی ہے ربِ تعالیٰ تصور کی دوئی سے بھی پاک ہے۔ اس بات کو عالم مثال میں اس طرح سے سمجھ لیں جب ایک انجینئر بھول بھلیاں بنا کر لکھ دیتا ہے کہ فلاں دروازے سے ازخود داخل نہ ہونا اور آپ بھی بھٹک جانے کے خوف سے داخل نہیں ہوتے۔ جو چیز سمجھ میں آجائے عقل اس کو محیط ہوتی ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ لامحدود ہے اور اس کو کوئی احاطہ نہیں کر سکتا البتہ اجمالاً اس کی صفات پر ایمان پھر ان صفات کے ذریعے

معرفت ذات حاصل ہوتی ہے۔تمام موجودات اللہ کی صفات کا مظہر اور معرفت کا وسیلہ ہیں۔انسان خلاصہ کائنات ہے اور رب کی صفات کا اعلیٰ مظہر ہے۔حدیثِ پاک ہے ''جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے رب کی پہچانا''۔انسان اپنا مطالعہ کرے اس پر معرفت کی راہیں واضح ہونگیں۔

اِن تمام مظاہر میں مظہر کامل سیّدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں اس لیے معرفت کاملہ آپؐ ہی کے ذریعہ ہوگی۔دنیا کے جتنے بھی موحد ہیں وہ سچ کا ایک حصہ تو پالیتے ہیں لیکن وہ نورِ محمدیؐ کے بغیر عرفان کے اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچ پاتے۔کبھی آپ نے اس بات پر غور کیا کہ تمام انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے نقیب بن کر آئے اور سب نے آپ کی نیابت میں اپنے اپنے قرن میں کام کیا (بحوالہ سورۃ آل عمران آیت ۸۱)۔اور سب نے **لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** ہی کہا کسی نے بھی **اَشْھَدُ اَنْ لَااِلٰہَ اِلاّاللّٰہ** نہیں کہا اور سب کو منصب نبوت ہی اس وجہ سے مِلا کہ آپ پر ایمان لائیں اور سب سے آپکی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا۔حدیث بخاری شریف ملاحظہ فرمائیں،

> ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ کو بنی آدم کے بہترین طبقوں میں قرن کے بعد قرن (یعنی ہر قرن میں) پیدا کیا گیا ہے یہاں تک کہ میں اس قرن میں پیدا ہوا جس میں کہ ہوں''۔
>
> (صحیح بخاری شریف جلد دوئم باب ۶۹۷ صفحہ ۳۴۵)

صرف سرکار دو عالمؐ کی ذاتِ مبارکہ ایسی ہے جنہوں نے فرمایا، **اَشْھَدُاَن لَااِلٰہَ اِلاّ اللّٰہ**

یعنی ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے تو جو آپؐ پر ایمان لائے انہی کو آپؐ کے طفیل معرفت ملی۔ جبھی قرآنِ حکیم میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں،

ترجمہ: اور جس دن ہم ہر گروہ میں سے ایک گواہ انہی میں سے اٹھائیں گے کہ اِن پر گواہی دے اور اے محبوب تمہیں ان سب پر شاہد بنا کر لائیں گے اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت مسلمانوں کے لیے۔

(سورۃ النحل آیت ۸۹)

ایسے نبی کی عظمت و جلال کے اظہار کے لیے اور وسیلے کی تعلیم کے لیے رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ترجمہ: اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور رسولِ اللہ بھی اِن کے لیے بخشش طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا اور مہربان پاتے۔ (سورۃ النساء آیت ۶۴)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت اور وسیلے سے ہی بندہ نعمتوں کا مستحق ہوتا ہے۔ سرکارؐ کی ذات تمام کائنات کے لیے رحمتوں کا باعث ہے اور اپنے رب کے فضل سے بخشش اور عطا کا منبع اور مخرج آپ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی حدیثِ ہے،

اَللّٰہُ یُعطِی وَأنَا قَاسِم (الخ)

تمام نعمتیں اللہ عطا کرتا ہے اور میں انہیں مخلوق میں تقسیم کرتا ہوں۔

کئی احادیث تواتر کے ساتھ ہیں جس میں آپؐ نے فرمایا،

أعْطِيْتُ مُقَاتِحَ الْاَرْضُ (الخ)

روئے زمین کی تمام کنجیاں مجھے دے دی گئی ہیں۔

(صحیح مسلم وصحیح بخاری باب ۸۰۵ جلد دوئم)

صحیح مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں آدم کی اولاد کا سردار رہونگا قیامت کے دن سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا اور سب سے پہلے میری قبر پھٹے گی اور سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم جلد ۶ کتاب الفضائل)

تو معلوم ہوا آپؐ سیّد العرب والعجم (کہ تمام روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپؐ کے حوالے کردی گئیں)، شمس العارفین اور شفیع المذنبین (کہ جنت ونار کی تمام کنجیاں آپؐ کے حوالے کردی گئیں)، ان کے علاوہ آپؐ اپنے کئی ناموں کے ساتھ ہیں اور ان تمام مرتبات پر سرکارِ دوعالمؐ کی ذاتِ مبارکہ کو رب تعالیٰ نے فائز فرمادیا۔ اور ساتھ میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَاَغْنٰی

اور جب آپ کو کثیر العیال (یعنی بہت بڑی امّت والا) پایا تو آپ کو غنی کردیا۔ (تاکہ آپ امتیوں کی حاجت روائی کریں اور انہیں تو انگر بنادیں) پھر فرمایا!

وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَر

اور سائل کو رد نہ کیجئے۔ (سورۃ الضحیٰ آیت ۱۰،۸)

اس آیت میں سائل کے کسی بھی سوال کے لیے کوئی قید نہیں مزید یہ کہ رب تعالیٰ نے کسی بھی قسم کے سائل کو رد کرنے سے منع فرمادیا کہ

وَاَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ

(ترجمہ: اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتے رہیں) فرما کر ترغیب دی کہ اللہ کی اس نعمتِ خاص اور مرتبہ اختصاص کا اظہار کریں اور جو خزانہ آپ کو دیا گیا ہے اسے خوب بانٹئے اور لٹایئے تاکہ آپ کی شان عالم پر ظاہر ہو، دوسری طرف سائل کو ترغیب دی کہ ان سے مانگو۔ اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مُطابق کہ اللہ معطی ہے اور میں قاسم ہوں تو گویا قرآن کے سیاق وسباق سے ہمیں ترغیب دی گئی کہ تم مانگو اور حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کو حکم کیا گیا کہ آپ عطا فرمائیں۔

اب اگر سوائے خدا کے کسی سے مانگنا شرک ہوتا تو اللہ فرماتے کہ آپ ان کو بتادیں کہ مجھ سے سوال کر کے مُشرک نہ بنو بلکہ اللہ سے مانگو۔ اللہ رب العزت نے یہ نہیں کہا بلکہ حضور علیہ صلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ سوالیوں کو خوب دیں اور اپنے امتیّوں کی حاجت روائی کریں۔ یہ تو تعلیم ہے امتیوں کو بلکہ قرآنِ حکیم اس بات کا بھی شاہد ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے بھی لوگوں کو آپ کے وسیلے سے حاجت روائی ہوتی تھی۔

ترجمہ: اور جب انکے پاس اللہ کی کتاب (قرآن) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (توریت) کی تصدیق فرماتی ہے اور اس سے پہلے وہ (اس نبی کے وسیلے سے) کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ تو جب

تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی
لعنت ہو منکروں پر۔ (سورۃ البقرہ آیت ۸۹)

سیدالانبیاءؐ کی بعثت اور قرآن حکیم کے نزول سے قبل یہود اپنی حاجات کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے وسیلے سے دعا کرتے اور کامیاب ہوتے تھے۔ معلوم ہوا کہ مقبولانِ حق کے وسیلہ سے دعا قبول ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے قبل جہاں میں آپ کی تشریف آوری کا شہرہ تھا اور اس وقت بھی حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے خلق کی حاجت روائی ہوتی تھی۔

جب بھی مانگو تو وسیلے سے نبیؐ کے مانگو
انؐ کے وسیلے سے کرم اور دوبالا ہو گا

اخیر میں ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرتا چلوں سورۃ فاتحہ کی آیت میں اقرار ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنی نفسِ مضمون ہے فقط اسی کی عبادت اور فقط اسی سے مانگنا تو پہلے ایاک نعبد و آپ سمجھ لیں وایاک نستعین کی تفہیم خود ہو جائے گی۔ ایاک نعبد سے مُراد عبادت ہے اور نماز اوّلین عبادت ہے۔ نماز اللہ تعالی کی تعریف و توصیف اور ذکر محمدؐ مع درود و سلام ہے تو آپ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں سے ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نکال دیں ہم وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں سے وسیلہ نکال دیں گے۔

تو تفہیم یہ ہے کہ اپنی طرف سے وسیلہ بنالینا جنکی قرآنِ حکیم اور احادیث کے سیاق و سباق سے کوئی سند نہیں شرک ہے اور خدائے بزرگ و برتر کے وہ برگزیدہ بندے جنہیں اس نے اپنے کرم و فضل سے نوازا، شفیع اور قاسم بنایا اِن کا ذکر کرنا اور وسیلہ بنالینا عین اطاعت

ہے۔ اب جو منکرین سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وسیلہ بنانے یا مدد لینے یا آپؐ کے شفیع ہونے سے منکر ہیں خود ہی اپنے آپ کو رب تعالیٰ کے اکرام اور آپکیؐ شفاعت سے خارج کرتے ہیں۔ سورۃ النساء آیت ۶۱ میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اسکی طرف (رجوع کرو) اور پیغمبر کی طرف آؤ تو تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے اعراض کرتے اور رکے جاتے ہیں۔

اللہ ہم سے دور نہیں اور اس کو کسی وسیلے کی ضرورت نہیں ہمیں وسیلے کی ضرورت ہے۔ یہ عالم اسباب ہے، دواؤں سے شِفا ہوتی ہے، زہر سے موت واقع ہوتی ہے، آگ جلاتی ہے، پانی ٹھنڈک پہنچاتا ہے، یہ سب باتیں سبب اور وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہیں، مسبب الاسباب کی ایماء سے، ایجاد خلق کی حیثیت سے نہیں۔ اگر کوئی مومن کہے کہ بہار نے سبزہ اگایا تو اسکے ایمان پر کوئی حرف نہیں آئے گا کیونکہ مومن کے نزدیک اللہ رب العزت کے سوا کوئی خالق و فاطر نہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ کی رحمت و برکت اور نعمت کے وسیلہ اور سبب ہیں ان کے توسط سے برائیاں دفع ہوتی ہیں اس پر متعدد آیتیں اور صحیح احادیث بکثرت دلیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں،

ترجمہ: اور اللہ ہرگز ان پر عذاب نہیں کرے گا جب تک آپؐ ان کے درمیان ہیں۔ (سورۃ الانفال آیت ۳۳)

صحیح بخاری کی حدیث مبارکہ ہے،

امّ المومنین حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس حضور اکرمؐ کا

پیراہن مبارک تھا مدینہ میں جب کوئی بیمار ہوتا اس پیراہن کا غسالہ لے جا کر مریض کو پلا دیا جاتا تو وہ اچھا ہو جاتا۔

میلاد شریف:

سورۃ فتح آیت ۸،۹ میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر (تا کہ اپنی امت کے احوال واعمال کی بروزِ قیامت گواہی دو) خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا۔ سوائے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول ﷺ کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح شام اللہ کی پاکی بولو۔

میلاد شریف کے معنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کے فضائل و سیرتِ طیبہ اور اسوہ حسنہ کا بیان ہے، یہ بیان احادیث میں بھی ہے اور قرآنِ حکیم میں بھی ہے۔ یہ محافل محبت رسول

صلی اللہ علیہ وسلّم دل میں جاگزیں کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں کہ جس پر مدار ایمان ہے اور پیش کی گئی آیت مبارکہ کے بموجب وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے اور وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کہ ہم نے اے محبوب تمہارا ذکر بلند کر دیا کی تفسیر ہوتی ہے۔

مسئلہ قیام سرکار دو عالمؐ اور کلمات صلوٰۃ والسلام

سورۃ مجادلہ آیت ۱۱ میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں،

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو، اللہ تمہیں جگہ دے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔

شان نزول: یہ آیتیں بدر میں حاضر ہونے والے اصحاب کی عزت و اکرام کرنے کے لیے رب تعالیٰ نے نازل فرمائیں اور اٹھ کھڑے ہونے کا ضمیر اشارہ بعض مفسروں نے

تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے کھڑے ہونے کے لیے فرمایا ہے۔ (کنزالایمان)

کسی کے لیے کھڑا ہونا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے،

قُومُوا اِلیٰ سَیِّدِکُم (الخ)

یعنی اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو۔

(بحوالہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا قصہ / صحیح بخاری جلد سوئم باب ۱۷)

جب حضرت سیّدہ فاطمہ الزہرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے اور حضرت فاطمہ الزہرۃؓ کا ہاتھ پکڑ کر چومتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہ الزہرۃؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں اور آپؐ کا دستِ مبارک چومتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بٹھا لیتیں۔ اسی طرح بخاری و مسلم نے سردار کے کھڑے ہونے کی تائید میں اور احادیث روایت کی ہیں۔

اب وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں کھڑے ہونے کی ممانعت فرمائی ہے۔

۱۔ جس کو یہ پسند آئے کہ اس کی خدمت میں کوئی کھڑا رہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

۲۔ عجمی لوگ جس طرح ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تم نہ کھڑے ہوا کرو۔ (حجۃ اللہ والبالغہ صفحہ ۵۳۰)

حدیث میں اشارہ ہے ''جس طرح عجمی کھڑے ہوا کرتے ہیں''۔ متذکرہ بالا حدیثِ پاک میں جو امر و نواہی وارد ہوئے ہیں ان میں تضاد نہیں بلکہ ان کی مشیتّیں مختلف ہیں۔ علماء کرام اور مفتی صاحبان ہر دو صورتوں کو واضح کرتے اور ہر دو (۲) صورتوں کے لیے

احکام سے آگاہ فرماتے۔احادیث کی تشریح میں آتا ہے عجمیوں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ خدام اور خدمت گار اپنے مالک، اور رعایا اپنے سلاطین کے سامنے کھڑے ہوتے تھے۔ یہ بات افراطِ تعظیم کے درجے تک پہنچتی تھی کہ وہ لوگ انکے لیے حد درجہ تذلل وانکسار کے اظہار کے لیے تعظیمی سجود تک بجالاتے۔اس قسم کی تعظیم کو سرکار علیہ صلوٰۃ والسلام نے بالکل منع فرمایا، یہاں تک کہ ہمارے یہاں متکبر کو سلام نہ کرنا بھی عبادت میں شامل ہے اور اسی لیے سرکار صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ فرمانا کہ جو آدمی یہ پسند کرے (عجمی سرداروں کے انداز کو کہ ان کی خدمت میں کوئی کھڑا رہے) تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔لیکن اگر کوئی اظہار مسرت اور خوشی اور ادب کی وجہ سے کھڑا ہو تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ قوموا الیٰ سیدکم میں ترغیب وارشاد ہے۔ ویسے بھی حالیہ دور میں شاگرد اپنے اساتذہ کی تعظیم میں کھڑے ہوجاتے ہیں، قومی ترانہ بجایا جائے تو اظہار مسرت کے لیے کھڑے ہوجاتے ہیں تو اس تادیب کا اطلاق اس صورت پر تو نہیں ہوتا اور نہ ہی آج تک کسی مفتی صاحب نے اس کھڑے ہونے پر کوئی فتویٰ صادر فرمایا، لیکن سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذکر کی تعظیم پر کھڑے ہونے والوں کو قرآن وحدیث کے اوامر سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مشرک کے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔کس قدر ناسمجھی اور جہالت ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلّم کے ادب واکرام کو رب تعالیٰ کی تعظیم کے درجہ عالی کے ساتھ مخلوط کرتے ہیں۔ یہاں اس امر کی وضاحت کرتا چلوں کہ حاضر اور غیر حاضر کا بہانہ بنا کر اپنے غلط استدلال کا بہانہ پیش کیا جائیگا، اس کے متعلق میں فیوض الحرمین تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ پیرا پیش کرونگا۔

آپؒ نے فرمایا! ''میں جب مدینہ منوّرہ میں داخل ہوا اور روضہ اطہر کی زیارت کی تو آپؐ کی روح مبارک کو دیکھا، ظاہر اور عیاں، نہ فقط عالمِ ارواح میں بلکہ عالم مثال میں اِن آنکھوں سے قریب۔ (بقول سرکار علیہ صلوٰۃ والسلام کے انبیاء نہیں مرتے اور نماز پڑھا کرتے ہیں اپنی قبروں میں اور حج کرتے ہیں اپنی قبروں سے اور زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں) میں پھر متوجہ ہوا روضہ عالیہ مقدسہ کی طرف، چند بار دیکھا رسول اللہؐ کو لطافت میں، بعد لطافت کے کبھی تو صورت وہیت میں حتّٰی کہ میں نے روح کی آنکھ کے ساتھ دیکھا کہ تمام فضا بھری ہوئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی روح مقدس سے۔ مجھ کو دریافت ہوا کہ آپؐ کا خاصہ ہے روح کو صورت جسم میں کرنا جہاں چاہیں۔ یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نماز میں خود موجود ہوتے ہیں اور لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں۔ ایسی باتوں کی یہی وجہ ہے اکثر لوگ کوئی بات زبان پر نہیں لاتے مگر جو ان کی ارواح پر وارد ہوا ظاہر ہے یہ کسی علم سے تو ہے وہ حقیقتاً ہو یا اس کی صورت پھر ایک اس کو بیان کرتا ہے دوسرا قبول کر لیتا ہے اس چیز کو جسے اجمالی طور پر معلوم کیا اور تیسرا اسے سُنتا ہے اور وہ بھی وجہ کے ساتھ اس کی تائید کرتا ہے اور ذکر کرتا ہے یہاں تک کہ اس امر پر لوگوں کی ایک جماعت متفق ہو جاتی ہے اور اِن کا اتفاق ایسے امر میں یونہی نہیں پس تو اسے حقیر نہ سمجھ اور ان اسرار پر غور وفکر کر کے سمجھنے کی کوشش کر بغیر سمجھے انکار نہ کر کہ گمراہی میں پڑ کر ایمان گنوا بیٹھے گا۔

(فیوض الحرمین تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

دوسری اس عالمِ مِثال میں شیخ احمد کبیر رفاعی الحسینی کی کتاب برہان المویہ سے شہادت پیش کروں گا۔ جب آپ ۵۵۵ھ میں بیت اللہ شریف زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضہ مبارک پر حاضر ہوئے۔ گنبد خضراء کے قریب پہنچ کر آپؒ نے بآواز بلند فرمایا، **اسلام علیک یا جدی**

فوراً روضہ اطہر سے آواز آئی **وعلیکم سلام یا ولدی**

اس نِدا مبارک کو سن کر آپ پر وجد طاری ہوگیا آپ کے علاوہ جتنے بھی حضرات وہاں موجود تھے سب نے آواز کو سنا۔ پھر بحالت گریہ آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

ترجمہ: جدائی کی حالت میں تو اپنی روح کو روضہ اطہر پر بھیجتا تھا کہ میری طرف سے آپ کی آستانہ بوسی کا شرف حاصل کرے۔ اور جبکہ یہ دولتِ دیدار مجھے اصالتاً حاصل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنا مبارک ہاتھ دیجئے تا کہ میں اسے بوسہ دیکر عزت حاصل کرسکوں۔

اسی وقت قبر مطہر سے دستِ مبارک نکلا اور آپؒ نے اسے بوسہ دیا۔ اس وقت اس واقعے کو نوّے ہزار عاشقانِ جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیکھا انہی میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت شیخ عدیؒ اور حضرت شیخ عبدالرزاق واسطی رحمۃ اللہ اجمعین جیسے جلیل القدر بزرگ بھی تھے۔ اس واقعہ کو کثرت سے علماء کرام نے بیان کیا ہے۔

(البرہان المویہ ترجمہ بناف المشید)

اس کے علاوہ ضمناً مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کی تقریر سے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں ''متفقہ علیہ حدیث پاک ہے مسلمان کسی جگہ یا کسی بھی خطے میں انتقال کرتا ہے تو قبر کی تنہائی میں اس سے تین سوال کئے جاتے ہیں۔

مَن رَبّکَ تیرا رب کون ہے

مَادِینُکَ تیرا دین کیا ہے

وَمَن هَذا رَجَل جن کی طرف اشارہ کر کے ہم پوچھ رہے ہیں انہیں جانتے ہو تم؟

اب چونکہ اس سوال کے ساتھ کسی بھی مسلمان اور حضور علیہ صلوٰۃ وسلام کے درمیان حجابات ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

''کوئی بھی مسلمان جس وقت اور جہاں بھی انتقال کرے حضور ﷺ اور اِس کے درمیان پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور آپ کے دیدار مبارک کا شرف حاصل کرے گا۔

(بحوالہ پاک ریکارڈنگ سینٹر)

ائمہ کرام فرماتے ہیں۔ ترجمہ: ''بے شک پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہوتی ہیں عالم بالا سے مل جاتی ہیں اور سب کچھ ایسا دیکھتی سُنتی ہیں جیسے یہاں حاضر ہیں''۔ حدیث میں فرمایا،

اِذَا مَا ت المُومِن یُنحلّے بُه یَسرَحُ حَیثُ شَاءَ

''جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے جہاں چاہے جائے''۔

(بہار شریعت)

اس بات کی تفہیم کے لیے سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت دعوتِ فکر دیتی ہے اس کی تفسیر باب حقیقتِ شرک میں بیان کی گئی ہے، یہ آپؐ کے خصائص سے ہے کہ چند ساعتوں میں آپؐ نے تمام آسمانوں کی سیر کی۔ جنت و نار، ملک وملکوت کی عظیم نشانیاں ملاحظہ فرمائیں اور بہت سی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گئے۔ بطورِ خاص سرکار علیہ صلوٰۃ والسلام کی روحِ مقدس کے لیے ہم جو حجابات شمار کرتے ہیں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلّم

کی شان بڑی رفیع ہے۔ جب میرے آقاؐ خدا کے محبوب ہی ٹھہرے تو پھر آپؐ کے کمالات پر کسی قسم کا شک وشبہ کرنا بے معنی ہے۔

رب تعالیٰ نے خود اپنے ساتھ سرکار علیہ صلوٰۃ والسلام کا نام ملایا اور اپنے ساتھ آپ کا ذکر لازم کر دیا۔ کلمہ طیبہ پڑھیں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اس کے رسول ہیں۔ جب سے کائنات بنی اس سے پہلے آپ محبوب خدا اور رسول کی صِفت سے متصف تھے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ کلمے سے آپ زمان کا تعین نہیں کر سکتے کہ کب سے تھے اور کب تک کے لیے ہیں۔ بس ہیں، پہلے بھی تھے اب بھی ہیں اور اخیر تک رہیں گے۔ اور جس صفت کے ساتھ متصف ہیں تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ صفت رہے اور موصوف نہ رہے۔ صفت تو موصوف کے ساتھ ہی لازم ہے اور رسولؐ کی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی اُمّت پر حاضر ہوتا ہے، انکے اقوال واعمال کا گواہ، رب کی طرف سے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور نفوس کو خالص کرنیوالا۔ (بحوالہ تفسیر حسینی سورۃ بنی اسرائیل)

میں اپنی پچھلی تحریر میں قرآن واحادیث کی روشنی میں واضح کر چکا ہوں کہ سرکار علیہ صلوٰۃ والسلام کا نور خلق میں سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور جسمانی جہت کے ساتھ آپ آخری نبی ہوئے اور تمام انبیائے جنس آپ ہی کے نقیب بنکر آئے جب آپ کی نصرت فرمانے کا سب نے اقرار کیا تو آپ کی نیابت میں اپنے اپنے قرن میں منصب نبوت پر فائز ہوتے رہے۔ قرآن حکیم میں اس کا تذکرہ میثاق الانبیاء میں آیا ہے۔

(بحوالہ سورۃ اٰلِ عمران/ آیت ۸۲،۸۱)

اب بھی اگر حاضر وناظر کا نکتہ تشنہ ہے تو نماز کے عمل نے حاضر وغائب کے تمام مسئلے دور

کر دیئے ہیں۔نماز کے لیے ارشاد ربانی ہے نماز اس وقت پڑھو جب تم سمجھ سکو کہ کیا کہہ رہے ہو،غور کیجئے جب نماز اوّلین عبادت،اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر سلام زمانہ حال میں حاضر ومخاطب کے صیغے میں درست ہے تو نماز کے باہر کیوں نہیں۔

اصل بات یہ ہے شیطان ہمارے قلوب میں شبہات اور وسوسہ ڈال کر ہمارے ایمان کو خطرے میں ڈالتا ہے۔سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم تو بالکل حاضر وناظر ہیں جو شخص کہے میں اسے ثابت کروں جو اعتراض کرے میں جواب دوں اگر کوئی نہ مانے تو اس معاملے میں زیادہ جھگڑے کی ضرورت نہیں۔بس یہ بات جان لینی چاہیے کہ جو رحمتِ عالمؐ کو اپنے سے قریب جانتا ہے اس کے وہ قریب ہیں اور جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے سے دور سمجھتا ہے اس کے حق میں وہ دور ہیں۔جب تم سرکار دو عالمؐ کا ذکر کرتے ہو تو سرکارؐ تمہارے پاس ہوتے ہیں۔جب تم اِن کی معیت میں ہو وہ تمہارے ہم جلیس ہیں تو ظاہر ہے اِن کا اقتداء تم پر طاری ہوگا۔جب تمہارے وجود پر تمہارے حالات پر آپؐ کا اسوہ طاری ہوگیا تو نتیجتاً جس کے ساتھ تم اٹھو گے بیٹھو گے تم کو ان سے محبت ہوگی۔اور سرکارؐ کی محبت مدارِ ایمان ہے اس سے انوار میسر ہوتے ہیں،قلب میں کشائش ہوتی ہے اور بندہ اللہ تبارک تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔صحیح بخاری کی حدیثِ مبارکہ ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی رحلت سے چند دن پہلے صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے فرمایا جس کا مضمون یہ ہے،

''میں آگے جارہا ہوں مگر تمہارا گواہ اور تمہارے لیے حاضر رہوں گا،
جس طرح میں عالم آخرت میں حوضِ کوثر دیکھ رہا ہوں وہاں سے

تمہیں دیکھوں گا''۔

اس حدیث پر کئی آیتیں دلیل ہیں اور کئی احادیث میں یہ مضمون تواتر کے ساتھ موجود ہے۔ قرآن حکیم میں رب فرماتے ہیں،

اور جس دن ہم ہر گروہ میں سے ایک گواہ انہی میں سے اٹھائیں گے کہ ان پر گواہی دے اور اے محبوب تمہیں ان سب پر شاہد بنا کر لائیں گے اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت ورحمت بشارت مسلمانوں کے لیے۔

(سورۃ نمل آیت ۸۹)

اور سورۃ احزاب آیت ۴۵ میں فرماتے ہیں،

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشی اور ڈر سناتا۔

(تاکہ اپنی اُمّت کے اقوال واعمال تصدیق وتکذیب کی بروزِ قیامت گواہی دو)

الغرض حضور علیہ صلوٰۃ والسلام جاننے والوں کے لیے آج بھی حاضر وناظر ہیں نہ ماننے والے لاکھ انہیں غائب وبعید جانیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ اپنی تصنیف فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں،

مَیں میلاد شریف کے روز مکّہ میں تھا لوگ نبیؐ پر درود شریف پڑھتے تھے اور بیان کرتے تھے وہ معجزے جو آپؐ کے وقت ظاہر ہوئے تھے اور وہ مشاہدے جو نبوت سے پہلے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ یکبارگی انوار ظاہر ہوئے میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نور ان

ملائکہ کا ہے جو ایسی مجلسوں اور مشاہد پر موکل ومقرر ہیں اور میں نے
دیکھا کہ انوارِ ملائکہ اور انوارِ رحمت ملے ہوئے ہیں۔

اب جو لوگ نہیں ماننا چاہتے وہ اہل بدعت اور منکر قدرت ہیں اور نہ ماننے کا سبب عداوتِ نبیؐ ہے۔ ایک اصول یہ ہے کہ جب تک آپ محبت نہیں کرینگے، آپ کو راز نہیں ملیں گے، تو جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبت کریں گے تو کوئی چیز تشنہ نہیں رہے گی۔ آپؐ اللہ کے محبوب ہیں اور یہ محبت کے اصولوں کے خلاف ہے کہ کوئی چیز چھپائی جائے، سرکارؐ سے کوئی چیز چھپی نہیں اور جو سرکار علیہ صلوٰۃ والسلام پر مرتے ہیں ان کے ایمان کامل ہیں اِن سے بھی کوئی چیز چھپی نہیں۔

صلوٰۃ والسّلام

لطیفہ یہ ہے کہ ایک شخص نے مچھلی فروخت کرنے کا کاروبار شروع کیا سو دکان کے اُوپر اس نے ایک بورڈ کچھ اس مضمون کا لکھوا کر آویزاں کر دیا ''یہاں تازہ مچھلی فروخت ہوتی ہے''۔ چند دنوں بعد اس کا کوئی ملنے والا آیا اس نے مشورہ دیا تم نے بورڈ پر جو ''تازہ مچھلی'' لکھا ہے اگر کسی دن باسی ہوئی تو لوگ تمہیں بُرا بھلا کہیں گے اور یہ دھوکہ بھی ہوگا اس وجہ سے لفظ تازہ غیر ضروری ہے اسے کاٹ دو۔ اس نے لفظ تازہ کاٹ دیا۔ اب بورڈ کچھ اس طرح رہ گیا ''یہاں مچھلی فروخت ہوتی ہے''۔ اب کوئی ادیب قسم کے دوست تشریف لائے اور بورڈ دیکھ کر فرمایا، میاں بورڈ پر لفظ ''یہاں'' غیر ضروری ہے لہٰذا اسے کاٹ دو اس

نے یہ بھی کاٹ دیا اب رہ گیا ''مچھلی فروخت ہوتی ہے''۔ کچھ عرصے بعد اس کے ایک اور دوست آئے اور کہا یار تو بیٹھا مچھلی بیچ رہا ہے تو یہ بورڈ لگانے کی کیا ضرورت ہے اس کو ہٹادے۔

بس کچھ اس طرح کا مضمون ہمیں بہت ساری باتوں میں پیش آتا ہے ہمارا فرض کہ پہلے ہم دیکھیں کوئی کام ایسا تو نہیں کررہے جو تعلیماتِ اسلام اور ہدایت قرآن یا اسوۂ حسنہ کے خلاف ہو۔ اللہ رب العزت نے بڑے اہتمام سے مومنوں کو صلوٰۃ والسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے جبکہ صلوٰۃ والسلام کے لیے وقت کی قید، طریقہ کار اور کلمات مقرر نہیں فرمائے کہ ہم ان کے پابند ہوں ہاں صلوٰۃ والسلام کے لیے محبت واخلاص اور حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کی تعظیم وتوقیر ضروری ہے۔ اب کتنا پڑھا جائے اس کے متعلق کئی احادیث وروایات ہیں۔

حدیثِ پاک:

حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے جب تک کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے تب تک فرشتے بھی اس کے لئے دعائے رحم کرتے رہتے ہیں اب تمہیں اختیار ہے کہ کمی کرو یا زیادتی کرو۔ (ابن ماجہ)

اب آیئے نفسِ مضمون کی طرف، آج تک جتنے وظائف بزرگانِ دین نے دیئے ہیں اس میں اوّل وآخر درود شریف پڑھنے کا بھی بتایا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے منقول ہے کہ دعا کی مقبولیت کا انحصار بھی اوّل وآخر درود شریف پر ہے۔

(ترمذی، نسائی، مسند احمد، ابوداؤد، ابن قریمہ)

اب اگر کوئی شخص درود شریف یا پورا وظیفہ ہی نہ پڑھے تو نہ تو وہ اسلام سے خارج ہوگا اور نہ

اس پر وظیفہ نہ پڑھنے کا کوئی گناہ ہوگا۔اسی طرح پڑھنے پر کوئی شرعی قدغن نہیں۔اذان سے قبل جوصلوٰۃ والسلام پڑھا جاتا ہے وہ نہ تو کوئی فرض ہے اور نہ ہی اس کے نہ پڑھنے سے نماز میں کوئی نقص واقع ہوتا ہے اسی طرح پڑھنے سے بھی کوئی نقص واقع نہیں ہوتا جو چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے کسی سے جھگڑنے کا کوئی جواز نہیں لیکن وجہ تسمیہ اذان سے قبل صلوٰۃ والسلام پڑھنے کی یہ ہے کہ جب اللہ رب العزّت نے سورۃ حجرات میں فرمایا! احترام نبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے یہ خلاف ہے کہ کوئی شخص آنحضور ﷺ کو حجرات مبارکہ کے باہر سے آواز دے کیونکہ اس میں لوازم ادب کا لحاظ نہیں ہے۔رب تعالی نے سیّدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعظیم کے لیے سکھایا کہ لوگوں کو چاہیے کہ آپؐ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کریں۔اور اللہ تعالیٰ ان اہلِ ادب پر جو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کرتے ہیں مہربان ہے اور یہی لوگ رحمتوں اور نعمتوں کے مستحق ہیں۔

سرمایہ ادب بکف آور کہ ایں متاع

آفرا کہ ہست فیض ابد آیدش بدست

چنانچہ منقول ہے سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب اذان اقامت کا وقت آتا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے اجازت لینے کے لیے حجرہ مبارک کے باہر کھڑے ہوکر اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلاَمُ عَلَیْکَ یَا رَسُولَ اللّٰہ پڑھتے رہتے کیونکہ صلوٰۃ والسلام بھیجنے پر اللہ رب العزّت نے وقت ومحل کی کوئی قید نہیں لگائی اور یہ احترام نبیؐ کے منافی بھی نہیں۔حضور اکرمؐ سیدنا بلالؓ کو سن لیتے اور اذان واقامت کی اجازت دیتے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اذان واقامت کہتے۔صلوٰۃ والسلام اذان واقامت

کے الفاظ نہیں ہیں اگر نہ کہیں تو اذان و اقامت میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اگر کہیں تو کارِ خیر اور باعثِ ثواب ہے لیکن محبت و اخلاص کے ساتھ، نیت فتنہ و فساد کی نہ ہو۔

اب آیئے ایک اور اعتراض کہ ذکر اللہ میں اشعار کیوں؟

اشعار کے متعلق عرض کر دوں حدیث مسلم شریف ہے۔

''ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حسان بن ثابت انصاریؓ سے سنا حضرت ابو ہریرہؓ کو گواہ کر رہے تھے کہ میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں تم نے رسول اللہؐ سے سنا ہے؟ کہ آپ فرماتے تھے! اے حسان! اللہ کے رسول کی طرف سے جواب دے یا اللہ مدد کر حسان کی روح القدس (حضرت جبرائیل علیہ السلام) سے۔ ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہاں میں نے سنا ہے۔ (صحیح مسلم شریف صفحہ ۱۵۹)

تفسیر حسینی میں بیان ہے، جب آیت

''ترجمہ: اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔

(سورۃ الشعرا آیت ۲۲۴)

نازل ہونے کے بعد حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور شاعروں کا ایک گروہ حضرت سیّدنا محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا حقِ تعالیٰ جانتا ہے ہم شاعر ہیں اور مجھے ڈر ہے اسی وصف میں نہ مر جاؤں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومن جہاد کرتا ہے اپنی شمشیر سے اور تم لوگ اپنی زبان سے کافروں کے لیے جو اشعار کہتے ہو وہ تیر اور نیزے سے زیادہ ان پر سخت ہیں اور اگلی آیت نازل ہوئی جس میں تخصیص ہوئی کہ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُو یعنی سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے آیت کی تشریح فرمائی کہ یہ آیت مشرکین اور کفار شعراء کے حق میں نازل ہوئی اِن کے تابع احمق لوگ ہیں جو ایسے اشعار کہتے تھے اور یاد کرتے تھے جو سرکار علیہ صلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی اور اسلام کی مذمت میں ہوتے۔ اس لیے رب العزّت نے اس سورۃ کی اگلی آیتیں نازل فرما کر نبیؐ کے قول کی خصوصاً خود تصدیق فرمائی ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ السلام کی تعریف وتوصیف اشعار میں بیان کرنا، اللہ تعالیٰ کا ذکر اشعار میں کرنا اور اسلام کی عظمت کے اظہار کے لیے اشعار بیان فرمانا اعمالِ صالح میں سے ہے۔ اور نہ صِرف یہ کہ اس کی ترغیب دی گئی بلکہ فرمایا گیا کہ یہ زبان کا جہاد ہے اور یہ مسلمانوں کو رغبت دلانے اور غفلت سے بیدار کرنے میں پُر تاثیر اور معاون ہوتے ہیں۔ تو جناب ذکر میں جو اشعار پڑھے جاتے ہیں نہ پڑھنے سے کوئی فرق واقع نہ ہوگا اور اسی طرح پڑھنے سے کوئی شرعی نقص واقع نہ ہوگا۔ اسی طرح یا احمد یا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نہ پڑھا جائے تو کوئی شرعی قدغن نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

> ''آنحضرت ﷺ متوجہ ہیں اُمّت کی طرف، خلقت کی طرف اور منہ کئے ہوئے ہیں۔ پہلوں کے آفتاب چُھپ گئے اور ہمارا آفتاب ہمیشہ بلندی آسمان پر تاباں رہیگا۔ اس حقیقت کو میں نے اپنی روح کی آنکھ سے دیکھا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلّم متوجہ ہوتے ہیں خلق کی طرف تو نہایت قریب ہوتے ہیں کہ انسان اپنی کوشش ہمت سے عرض کرے اور آپ فریادرسی کریں۔ اس کی مصیبت میں یا اس

پر ایسی برکتیں اضافہ فرمائیں۔ جیسے کوئی شخص مظلوموں، محتاجوں کی

فریادرسی میں مصروف ہو"۔ (ماخوذ فیوض الحرمین)

اسی طرح ہم جتنے نام اللہ کے ذکر میں لیتے ہیں صفاتی ہوں یا ذاتی ان سب کو بھی نہ پڑھا جائے یا اس میں سے کوئی ایک پسند کر کے پڑھا جائے تو بھی کوئی ترکِ عبادت جیسا محاسبہ نہ ہوگا۔ ہاں! اُوپر دی گئی مثال کے مُطابق یہ ضرور ہوگا کہ ہر شخص مچھلی بیچنے والے کی طرح اپنے بورڈ سے محروم ہو جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ آخر نیکی کی طرف بڑھنے والے اور ایسے طریقہ کار اختیار کرنے والے لوگوں پر اعتراض اُٹھانے کا کیا منشاء ہے۔ دورِ حاضر میں جتنی بُرائیاں رائج ہو چکی ہیں ان پر نہ کوئی اعتراض ہے نہ ان کے خلاف کوئی آواز ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول علیہ صلوٰۃ والسلام کی محبت اور ایمان کی تقویت کے لیے باالجواز کوئی طریقے اختیار کرتا ہے تو اس پر شرعی جواز اور عدم جواز کے بِلا وجہ فتنے لگائے جاتے ہیں ہر نیک کام کرنے والوں پر شیطانوں کی یلغار ہوتی ہے اور مختلف طریقہ اختیار کر کے ان کی راہوں کو مسدود کرنے کے لیے یا شیطان کے پیروکار خود ساختہ مسائل کی آڑ لیکر انکو بند کرانا چاہتے ہیں۔ ورنہ ہر ہوٹل میں فحش گانے لاوڈ اسپیکروں پر صبح و شام کا مشغلہ ہے۔ یہ حرام کی ترغیب کا موثر ذریعہ ہیں۔ اور پوری قوم تقلید کر رہی ہے مگر حیف ہے کہ اگر اذان سے پہلے کوئی شخص رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ والسلام بھیجے تو اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔ یہ سب عدم واقفیت کی وجہ ہے۔ دین ہمارا ہمیں بصارت کے ساتھ بصیرت سکھاتا ہے۔

"مسند احمد ترندی ابوداوٗد، نسائی ابن قریمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے

روایت ہے کہ،

حضورؐ سُن رہے تھے ایک شخص نے بغیر اللہ تعالی کی حمد وثناء کئے اور بغیر حضور پر درُود پڑھے اپنی نماز میں دُعا کی تو آپؐ نے فرمایا اس نے بہت جلدی کی پھر اسے بلا کر فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ کی تعریفیں بیان کرے پھر درود پڑھے پھر جو چاہے دعا مانگے۔

تو پتہ چلا ہر عبادت اور ہر عمل کی ابتداء حمد وثناء اور درود وسلام سے کرنا افضل ہے یہی تعلیم ہے۔ایک اور حدیثِ پاک ہے۔

حضور صلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں بھیجتا ہے اس پر ایک شخص نے کہا۔مَیں اپنی دُعا کا آدھا وقت درُود میں خرچ کروں گا۔آپ ﷺ نے فرمایا! جیسے تیری مرضی۔ اس نے کہا پھر میں دو(۲) تہائیاں کرلوں۔آپ ﷺ نے فرمایا! اگر چاہے۔اس نے کہا پھر تو میں اپنا سارا وقت اس کے لیے ہی کر دیتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا! اس وقت اللہ تعالیٰ تجھے دین ودنیا کے غم سے نجات دیگا۔

(ترمذی،بحوالہ تفسیر ابنِ کثیر سورۃ احزاب)

میرا خیال ہے درود شریف کی فضیلت اور ہر عبادت میں اس کی اہمیت اِن احادیثِ

مبارکہ کے بیان سے بالکل واضح ہے۔میرا بعینہ قرآن مسلک یہ ہے کہ، آؤ مسلمانوں سرکار علیہ صلوٰۃ وسلام کی محبت میں سرشار ہوجائیں کہ یہی مدار ایمان ہے اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ ہمارا دین کامل ہے، کسی بھی بات میں آپس میں محبت سے افہام تفہیم کرلیں اور افتراق نہ پھیلائیں کہ یہی آج ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم پستی کی طرف چلے جارہے ہیں اگر کوئی شخص اس بات پر ضِد کرتا ہے کہ اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام نہ پڑھو تو دین میں افتراق نہ پھیلانے کے پیشِ نظر نہ پڑھا جائے اور مسجد میں دنگا فساد کرنے سے بچنا چاہیے۔

انگوٹھے چومنا:

عام مسلمان یہ عمل مستحب جان کر کرتا ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ جب مؤذن **اَشْهَدُ اَن مُحَمَّد الرَّسُول اللّٰه (صَلّی اللّٰهُ عَلَیه وسلّم)** کہے تو دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا مستحب ہے اس میں دین ودنیا کے فوائد ہیں۔اس کے متعلق احادیث میں وارد ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ عمل ثابت ہے۔کتاب صلوٰۃ المسعودی باب اذان ونماز میں بیان ہے۔

ترجمہ: حضور علیہ صلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس شخص نے میرا نام اذان میں سُنا اور اپنے دونوں انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے تو میں ان کو قیامت کے دن صفوں میں سے چُن لونگا اور اپنے پیچھے جنت

میں لے جاؤں گا!

اسی طرح شامی جلد اوّل باب اذان میں ہے،

ترجمہ: اذان کی پہلی شہادت (اَشْهَدُ اَن مُحَمَّد الرَّسُول اللّٰه) پر ''صَلّی اللّٰه عَلیکَ یا رَسُولَ اللّٰهْ'' کہنا مستحب ہے۔ اور دوسری شہادت میں ''قُرَّةٌ عَیْنِی بِکَ یَارَسُولَ اللّٰهْ'' کہے پھر اپنے انگوٹھے دَم کر کے آنکھوں پر رکھ کر کہے ''اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِی بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ'' تو حضور پاکؐ اس طرح کہنے پر ان لوگوں کو اپنے پیچھے جنّت میں لے جائیں گے۔

امام سخاوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مقاصِد حسنہ'' میں فرمایا ہے۔

ترجمہ: دیلمیؒ فردوس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ جب موذن اَشْهَدُ اَن مُحَمَّد الرَّسُول اللّٰه ﷺ کہتا تو وہی الفاظ آپ فرماتے اور اپنی انگلیوں یا انگوٹھوں کا اندرونی حصّہ چوم کر آنکھوں پر رکھتے۔ اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا! ''جو شخص میرے دوست کی طرح عمل کرے گا اس پر میری شفاعت واجب ہوئی''۔

(بعض محدثین کے نزدیک یہ حدیث درجہ صحت تک ہے) تفسیر حسینی پارہ نمبر ۴ سورۃ مائدہ زیر آیت اِذَا نَادَیتُم اِلَی الصَّلوٰۃ میں آیا ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب موذن اَشْهَدُ اَن مُحَمَّد الرَّسُول اللّٰه ﷺ کہتا تو وہ نصراتی بکتا کہ ''جل جائے

یہ جھوٹا''۔ایک رات اس نصرانی کا خدمت گار اس کے گھر میں آگ لایا آگ سے ایک چنگاری اڑی اور اس کے گھر کو لوگوں سمیت جو اس میں تھے جلا دیا۔سورب تعالیٰ نے فرمایا کہ نبیؐ کی شان میں جو گستاخی کرتے ہیں اس کی عقوبت سے وہ واقف نہیں، **قوم لایعقلون** یعنی ایک گروہ ہیں کہ نہیں سمجھتے۔لیکن مسلمان اذان میں ان کلمات پر فرطِ محبت سے اپنے نبی علیہ صلوٰۃ والسلام کے نام مبارک کو چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں کہ آنکھوں کو نور ملتا ہے اس نام پاک کے وسیلے اور تعظیم سے۔تفسیر روح البیان میں اسی آیت کی تشریح میں آیا ہے۔

ترجمہ: محمد الرسول اللہ کہتے وقت انگوٹھوں کے ناخن کلمہ کے ساتھ چومنا عملِ ضعیف ہے کیونکہ مرفوع روایتوں سے ثابت نہیں، لیکن محدثین کا یہ اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا، رغبت دلانے اور ڈرانے کے متعلق جائز ہے۔شافعی مذہب کی مشہور کتاب اِعانت الطالبین صفحہ نمبر ۲۴۷ میں درج ہے کہ جو شخص اذان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے نام پر اپنے انگوٹھے چوم کر دونوں آنکھوں پر لگائے وہ کبھی نابینا نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی آنکھوں میں ورم ہوگا۔اس عمل سے درج ذیل فائدے ہیں۔

۱۔آنکھوں کے درد سے ہمیشہ محفوظ رہنا۔

۲۔کبھی نابینا نہ ہونا۔

۳۔آنکھوں میں کبھی کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔

۴۔اگر کسی کو آنکھوں کی تکلیف ہو تو انگوٹھے چومنے کا عمل محمد ﷺ کی نسبت سے بہترین علاج ہے۔

۵۔اس عامل کو حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کی شفاعت نصیب ہوگی۔
۶۔اس کو بروزِ قیامت حضور علیہ صلوٰۃ والسلام چن کر جنت میں لے جائیں گے۔
یہ عمل باعثِ برکت ہے۔اس کو حرام سمجھنا محض ہٹ دھرمی اور جہالت ہے۔کیونکہ اس کی ممانعت کی کوئی صریح دلیل نہیں۔سو ممانعت کا نہ ہونا از روئے شریعت فعل کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔فقط استحباب کے لیے مسلمان اس کو مستحب جان لیں کافی ہے۔انجیل برناباس میں اس سلسلے میں بیان ہے،

ترجمہ: آدم علیہ السلام نے نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں چمکا دیا۔آدم علیہ السلام نے فرطِ محبت سے ناخنوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھا۔

جہاں تک چومنے کے عمل کا تعلق ہے اس کے بارے میں عرض کروں کہ سورۃ یوسف میں ارشاد ہے، جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد کے بارے میں دریافت کرلیا تو فرمایا ،

ترجمہ: یہ میرا کُرتہ لے جاؤ اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈالو وہ بینا ہوجائیں گے اور اپنے تمام اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ۔اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے والد کہنے لگے اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔پھر جب خوش خبری دینے والا آپہنچا تو اس نے وہ کُرتہ یعقوب علیہ السلام

کے منہ پر ڈالا اور وہ بینا ہو گئے۔ کہا میں نہ کہتا تھا کہ میں خدا کی طرف
سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ بیٹے بولے! اے ہمارے
باپ ہمارے گناہوں کی معافی مانگیے بے شک ہم خطاوار ہیں۔
(سورۃ یُوسف آیات ۹۷، ۹۳)

تفسیر میں آتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے جب والد صاحب کا سنا کہ روتے ہوئے ان کی بینائی بحال نہیں رہی تو اپنا کُرتہ بھیجا اور فرمایا کہ جاؤ اسے والد صاحب کے چہرے پر ڈال دینا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نے کُرتا حضرت یعقوب علیہ السلام کو ادب سے دیا تو آپ نے اسے فوراً فرطِ محبت سے چوما اور آنکھوں سے لگا لیا اور اسی وقت آپ کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اب یہ کونسا محبت کا مقام ہے کونسی چاہت کی منزل ہے ربِ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن اس طرح محبت کے انداز اور ثمرات سے کِسے انکار ہے؟ یقیناً کسی بھی مسلمان کو نہ ہوگا۔ کیونکہ قرآنِ حکیم ہی تو اسکا داعی ہے۔ اِن آیات مبارکہ کے مطالعہ سے کئی اور نکتے بھی ملتے ہیں کہ،

خدائے بزرگ و برتر کے مقربین اور انبیائے علیہ السلام کے تبرکات سے بلائیں دور ہوتی ہیں اور یہ فیض و برکت کا وسیلہ ہیں۔

قافلہ مصر سے چلا اور اِدھر کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کر لیتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں۔ لیکن نہ ماننے والے اس وقت بھی تذبذب میں رہے آخر کار جب کُرتا آ ہی گیا تو اپنی غلطی اور نادانی کا اعتراف کیا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے لوگوں کا یہ عمل رہا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کے مقربین بندوں کے

وسیلے سے لوگ اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے تھے اور ان کے پاس آتے۔ سفارش کے لیے ان سے دعا کرواتے اور پھر نعمتوں سے سرفراز ہوتے تھے۔

اور انبیاء علیہم السلام وہ اسرار جانتے ہیں جن کا ہماری عقل اور ہمارے احساسات کے ذریعے پالینا ممکن ہی نہیں اور عقل سے عاری لوگ اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے ہمیشہ سرگرداں اور گریزاں رہتے ہیں۔ جبھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے تعلیم فرمائی کہ میں نہیں کہتا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے سو اب سمجھ جاؤ کیونکہ ان پر ہو بہو ایمان لے آنا ہی باعثِ نجات ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو وہ صلاحیت عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے فوراً باخبر ہوئے کہ یوسف علیہ السلام کا کُرتا مِصر سے آرہا ہے۔ پھر جب کُرتا آیا تو آپ نے فرطِ محبت سے اس چوما اور آنکھوں سے لگاتے ہی بینا ہو گئے۔

تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اذان میں انگوٹھے چامنا سرکار علیہ صلوٰۃ والسلام کے نام پر ایک محبت کا انداز ہے، حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی سنت ہے۔ قرآن حکیم سے اس عمل کی معاونت تو ملتی ہے ممانعت نہیں اس لیے فقہائے محدثین اور معتبرین اس کے مستحب ہونے پر متفق ہیں۔ ائمہ شافعی اور مالکی نے اس عمل کے استحباب کی تصحیح فرمائی ہے۔ یہ مستحب عمل ہے۔ حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ نیت خیر پر باعثِ ثواب ہے۔ جس طرح بھی حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کی تعظیم وتوقیر کی جائے، صورتاً ہو یا نیتاً عین تعلیمِ قرآن اور باعثِ ثواب ہے۔ اب آیئے جواز اور عدم جواز کی بحث سے ہٹ کر کہ چومنا کیا ہے اور فطری

جذبات کے کن تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

- ہم دیکھتے ہیں ماں اپنے شیر خوار بچے کو بوسہ دیتی ہے۔
- عرب میں دستور ہے جب دو (۲) دوست آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو بوسہ دیتے ہیں۔
- شعارِ حج میں حجرِ اسود کو بوسہ دینا اعمالِ حج میں سے ہے۔

آخر یہ سب کیوں؟

بوسہ کے متعلق جب مَاں فرطِ محبت سے اظہار محبت کرتی ہے اور جب الفاظ کے ذخیرے ختم ہوجاتے ہیں جیسے میرا لعل، میرا چاند وغیرہ اور یہ کہنے پر بھی اس کی تسکین خاطر نہیں ہوتی یا یوں سمجھ لیجئے کہ جذباتِ محبت کے اظہار کے لیے کوئی تسکین دہ عمل نہیں ملتا تو بے ساختگی سے بوسہ لینا شروع کر دیتی ہے گویا یہ طے پایا کہ اظہار محبت کا فطری عمل بوسہ ہے جس پر کوئی شرعی قدغن نہیں۔

اسی طرح عرب میں جب دو (۲) دوست ملتے ہیں تو اظہار محبت کی خاطر ایک دوسرے کو بوسہ دیتے ہیں جس پر کوئی شرعی اعتراض نہیں۔

اب شعارِ حج، حجر اسود کو بوسہ دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ پہلے میں یہ بتا تا چلوں کہ بیت اللہ کے معنی اللہ کا گھر ہے۔ درحالانکہ اللہ لامکان ہے پھر اللہ کا گھر کہنا کچھ عجیب سا لگتا ہے لیکن اس معاملے پر پوری سنجیدگی، محبت اور ایمان رکھیں گے تو جو میں کہہ رہا ہوں اس کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ بیت اللہ کو اللہ نے خود اپنا گھر فرمایا یعنی اپنی نسبت اس سے منسوب کی تا کہ بندوں کی توجہ نسبت کی طرف مبذول ہوجائے اور اس توجہ میں وہی فطری جذباتِ محبت

اور لگاؤ کا مظاہرہ ہوجائے اور اس مظاہرے کے ہوتے ہی احکاماتِ الٰہی کی تعلیم کے مطابق بندہ اجروثواب کا مستحق ہوجائے۔

اللہ فرماتے ہیں لَنْ تَنَالُو البِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُو مِمَّا تُحِبُّون یعنی تم میری محبت ہرگز حاصل نہیں کرسکتے جب تک اپنی دلپسند چیز مجھ پر قربان نہ کردو۔اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیثِ مبارکہ ہے،تمہاراایمان جب تک مکمل نہ ہوگا کہ تم مجھے اپنی جان، مال، اولاد،عزت آبروسب سے بڑھ کرعزیز ترین نہ رکھو گے۔یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ انسانی وجود میں تمام جذبات سے جذبہ محبت برتر واعلیٰ ہے۔جب کسی سے محبت ہوجائے تو محبوب پر ہر چیز قربان کرکے مطمئن نہ ہونا شعارِ محبت ہے۔اب بات سمجھنے والوں کے لیے اس قدر واضح ہے کہ عملاً سب کچھ نچھاور کرنے کے بعد بوسہ ہی ایک سرمایہ محبت ہے۔وہ بھی خرچ ہوگیا کیا آپ یہ نہیں سمجھتے محبوب کے بوسہ پر بوسہ لینے کے بعد بھی اشتیاق میں ہیجان پیدا ہوجاتا ہے۔جس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پسند فرماتے ہیں اور اس طرح تکمیل محبت ہوتی ہے جو کہ ماحاصل عبادت وطاعت اور شوق وذوق کی نشاندہی ہے۔

باب نمبر۳: مختلف سوالات اوران کے جوبات

سوال نمبر۱۔ہم مسلمانوں میں اختلاف کیوں؟ کوئی شخص نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھتا ہے تو کوئی ناف پر اور کچھ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں۔اثنائے عشری حضرات کی اذان بھی مختلف ہے اور سب کے پاس ایسا کرنے کے دلائل بھی موجود ہیں، کیوں؟

جواب: تمام مسلمان توحید ورسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی پر اختلافات کی بنیادیں قائم کر کے افراط وتفریط کا شکار ہو گئے ہیں اور ایک دوسرے سے دست وگریباں ہیں۔ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ آپ رزقِ حلال اور صدقِ مقال کی روش اپنالیں۔حقوق العباد کا

خصوصی خیال رکھیں۔ بڑے خلوص سے نمازیں پڑھیں۔ سجدے میں شرح صدر کی دعا مانگیں۔ صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق اور ہدایت طلب کریں۔ پھر انشاء اللہ بعینہٖ قرآن جس نے کوشش کی اس نے پایا۔ طریقہ کار جو آپ کو ملا اسی کو اختیار کریں۔ آپ کو یہ اختیار ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھیں یا سینے پر باندھیں یا ناف پر باندھیں، روح کو صحیح عبادت ملتی ہے تو وجود سرورِ کیفیات سے مستفیض ہوتا ہے۔ مُشک تو خود اپنے آپ کو بتاتا ہے نہ کہ عطار، فرد یا افراد کا معاملہ ان کے اعمال، اطوار، عقائد اور طاعت وعبادت پر ضرور ہے لیکن یہاں بھی فضلِ رب شامل حال نہ ہو تو سب بیکار و بے سود ہے چونکہ سزا و جزا اس قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ گناہ گار کو معاف فرمادے اور کسی نیکوکار کو کسی وجہ سے سزا دے دے تو وہ ہی علیم و دانا ہے۔ کسی نفس پر ظلم نہ کرنے کا اس کا وعدہ ہے۔ ہماری عقلِ ناقص محتاج، عاجز و بے بس ہے۔ اس لیے ہم اس کی حکمتوں کو کما حقہٗ نہیں سمجھ سکتے۔ رب تعالیٰ نے نظام کائنات کچھ اس طور پر ترتیب دیا ہے کہ ہر چیز کے جوڑے بنائے۔ تضاد سے توازن قائم کیا۔ مزید برآں شواہد بطور ثبوت فراہم کر دیئے۔ ہمیں علم عطا کیا، غور و فکر کی دعوت دی تاکہ ہم ایمان لے آئیں یعنی ایمانِ کامل، اس کی پاکی بیان کرتے کرتے مرجائیں اور یہی مقصودِ زیست جن و انسان قرار پایا۔ باقی کائنات حضرتِ انسان کے تصّرف میں دیدی، جو چاہے سو کرے مگر حساب دینا نہ بھولے۔ میں نے سوچا لامذہبیت اور تفرقہ بازی ایسی بیماریاں ہیں جو انسانیت کو کھا جاتی ہیں تو پھر ایسے مریض کا علاج کرنا چاہیے نہ کہ اس مریض سے نفرت۔ اسلام محبت سے پھیلا، محبت و اخلاق نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ اسلامی تعلیمات میں لوگوں نے حق کا وہ مزہ پایا کہ اسلام ہی ان کی

زندگی بن گیا۔تلاشِ حق انسان کوشروع ہی سے ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے بھی تھی،جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو مانا ان کو بھی تھی اور جنہوں نے نہ مانا ان کو بھی تھی،لہذا جن لوگوں نے نہ مانا اُنکے آڑے صرف تعصب،تکبر اور انا آئی جس نے ان کو حق کی طرف آنے سے روکا۔اور انہوں نے اپنے آپ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ بنایا۔کوئی جذبہ اللہ تعالیٰ نے عبث نہیں رکھا،تضا دوجذبات دیکر توازن رکھا۔انا اس لیے دی کہ انسان اُسے اپنے رب کے لیے فنا کردے۔لیکن انسان اس سے اپنے آپ کو ممتاز کرنا چاہتا ہے۔

میری تعلیم یہ ہے کہ ہر انسان کو اس کی DUE RESPECT دیں یعنی اس کے مراتب کا لحاظ رکھیں۔پہلے محبت کی بات کریں پھر اس مقام پر لے آئیں جہاں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کو سمجھے۔اس احساس کے ساتھ کہ جس احساس کے ساتھ جاننا چاہیے۔لیکن ہم بات کرتے ہیں تو اعتراض کے لیے یہی وجہ ہے کہ نہ پیغام پہنچتا ہے نہ ہی محبت برقرار رہتی ہے۔تفرقہ بازی کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے دو بھائی لڑیں اور دونوں اپنے ہی باپ کو بُرا کہیں۔ہماری غیر یقینی اور معصیت ہی اللہ سے حجاب ہیں لہٰذا جب تک صحیح علم نہیں آئے گا عرفان نہیں ملے گا۔جب تم اُسے جان کر اس محبتِ کُل کی طرف دیکھو گے تو جز تم کو بھی ملے گا پھر ہم تم ایک ہو جائیں گے۔اللہ فرماتے ہیں کہ تم میرے رنگ میں رنگ جاؤ یعنی میرا خلاق پکڑو یعنی کائنات کی ہر شے سے محبت اللہ کا اخلاق ہے۔تو ہمارا مذہب محبت سکھاتا ہے صدق مقال اور رزقِ حلال اس کی بنیاد ہیں۔پھر جو طریقہ کار ملا ہے خلوص سے عبادت بجالائیں۔انشاءاللہ منزلِ مراد دور نہ رہے گی۔

سوال نمبر۲۔ آج کے ترقی یافتہ معاشرہ میں رہن سہن اور لباس وغیرہ کی یکسانیت میں کس طرح سے مسلم اور غیر مسلم میں تمیز کی جاسکتی ہے؟

جواب: سرکار دعالم ﷺ کا فرمانا کہ مومن اور کافر کی پہچان نماز ہے یعنی مسلمان نماز پڑھتا ہوگا اور غیر مُسلم نماز نہیں پڑھے گا۔ اس میں ایک اور مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ نماز تو منافق بھی پڑھ لیتا ہے تو منافق کی پہچان کس طرح کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اسکی تشریح کچھ اس طرح فرمائی ہے کہ منافق پر نماز بھاری ہوگی۔ سستی، کاہلی اور بے رغبتی ہوگی۔ رب نے قَامُوکُسَالیٰ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جس میں تمام باتیں آجاتی ہیں کہ وہ اللہ کا ذکر کرے گا وہ بھی یوں ہی سا یعنی دل کی تصدیق سے نہیں۔

سوال نمبر۳۔ دنیاوی زندگی کو نبھاتے ہوئے دینی زندگی کے تقاضے کس طرح پورے کئے جاسکتے ہیں جب کہ اس پر آشوب دور میں کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیا اور دین علیحدہ ہیں۔ آجکل کے اسلامی ممالک عہد رسالت اور عہد خلافت جیسے دور کی عکاسی کرنے سے قاصر کیوں؟

جواب: مقصد سوال یہ ہے کہ اس دور فتن میں ممکن نہیں کہ اسلامی تعلیمات پر کما حقہ عمل پیرا ہوسکیں۔ قدم قدم پر مشکلات اور دشواریاں، کہیں سماجی کہیں مذہبی فریب کاریاں کہیں سیاسی مصلحتیں، معاشرہ پر غیر اسلامی دباؤ، مغربیت کے اثرات، جھوٹی انا، سستی شہرت ایسے میں صحیح فکر اور اسلامی طرز زندگی گزارنے کی کوشش کرنے والا کیا کرے۔ تو جناب

اللہ تعالیٰ نے اس وجود میں تمام احساسات ومشاہدات سبب اور اسباب کی صورت میں رکھے ہیں۔شدّتِ احساس کسی بھی کام کو پورا کرنے کی ضمانت ہے مثال کے طور پر ایک شخص مایوسی اور محرومی کے احساس میں زندگی جیسی عزیز چیز کو ختم کر دیتا ہے حالانکہ خودکشی حرام ہے لیکن شدّتِ غم نے اس سے یہ کام کرا ہی لیا۔اب اگر یہی زندگی اللہ تعالی کی راہ میں اسی شدتِ احساس کے ساتھ قربان کر دیتا ہے تو امر ہو جاتا ہے اور شہید کہلاتا ہے۔ موت کی تکلیف دونوں صورتوں میں ہے لیکن صورت دوئم اللہ تعالی کے حکم کے مُطابق ہے اور صورت اوّل نافرمانی ہے لیکن سزا وجزا سے سب واقف ہیں تو کلیہ یہ ہوا کہ شدّتِ احساس سے اگر رضائے الٰہی کے مطابق کوئی کام کیا جائے گا مبارک اقدام ہوگا اللہ تعالی راضی ہوگا اور اجر ملے گا اور اگر اسی شدّتِ احساس سے کوئی عمل ایسا سرزد ہو جو اللہ تعالی اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے منافی ہو تو سزا کا مستحق ہوگا، چاہے مرد ہو یا عورت۔تو پہلے ایمان لے آئیں کہ قرآن وہ ضابطہ ہے جو اللہ نے ہمارے لیے ہر شعبہ زندگی اور جذبہ کے لیے ایک انعام کے طور پر اتارا ہے۔آج کا مسلمان قرآن کی عظمت کا عملاً انکاری ہے اور یہی بربادی کا سبب ہے۔

سوال نمبر۴۔موت کی حالت میں جب روح جسم سے جدا ہوتی ہے اس وقت حضور ﷺ کے ارشاد کے مُطابق ایسا عالم ہوتا ہے جیسے ایک خاردار جھاڑی پر ایک باریک کپڑا ڈالا جائے اور جب وہ کانٹوں سے پیوست ہو جائے پھر اسے کھینچا جائے تو تار تار ہو جائے گا تو وجود کی اسی کے مثل کیفیت ہوتی ہے۔حضور پاکؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ نیند موت کی بہن

ہے۔اس طرح روح بار بار جسم سے جدا ہوتی ہے تو اس وقت ہم تکلیف کیوں محسوس نہیں کرتے؟

جواب: روح اور جسم کے تعلق کے بارے میں اپنی پچھلی تحریر ''ہم اللہ کو کیوں مانیں'' میں قرآن وحدیث کے حوالے سے وضاحت کر چکا ہوں۔رب تعالیٰ نے لفظِ کُن سے روحوں کی تخلیق فرمائی اور سب سے فرمایا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں اور قَالُوبَلٰی کا وعدہ لیکر کرّہ ارض کی طرف روانہ کر دیا۔ظاہر ہے ہم جسم لے کر روانہ نہیں ہوئے تھے لیکن جس طرح ایک بیج میں آنے والے درخت کی تمام تفصیل ہوتی ہے اسی طرح روح کیساتھ متعلقہ وجود میں آنے والے جسم کی تمام تفصیل پیوستہ تھی۔میری اپنی فکر یہی ہے اس لیے جستجو روح فعلِ عبث ہے۔

رب فرماتے ہیں وَنَفَخْتُ مِنْ الرُّوْحِی

دوسری جگہ فرماتے ہیں قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی

حقِ تعالیٰ نے فرمایا روح میرا حکم ہے۔حکم کا کوئی مقام نہیں بس اِس سارے وجود پر لاگو ہے۔جب تک حکم ہے چل رہا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ روح اور جسم کی جدائی کے وقت تکلیف کیوں؟ روح دوصورتوں میں جِسم سے جدا ہوتی ہے جس کو ''وفات نیند'' اور ''وفات موت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ موت کی تکلیف خاردار جھاڑی پر ایک ریشمی کپڑا ڈال کر کھینچا جائے تو تار تار ہو جائے گا روح کے جسم سے جدا ہوتے وقت سخت تکلیف مراد ہے۔نیند آتے وقت ایسی کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ ایک راحت سی محسوس کی جاتی ہے اس کی وجہ یہ

ہے کہ روح کے دو کردار ہیں۔ روح مقامی اور روح سیلانی۔ سوتے وقت روح مقامی جسم میں رہتی ہے اور روح سیلانی ہمارے ہمارے جسم سے جدا ہو کر عالم کی سیر میں مشغول ہو جاتی ہے لیکن موت کی صورت میں رُوح نکلنے پر ہر دو (۲) کردار ختم ہو جاتے ہیں۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھو کہ تم ہر روز اپنے گھر سے باہر آتے جاتے ہو اس میں تمہیں کوئی تکلف نہیں ہوتی لیکن اگر تمہیں اس گھر سے زبردستی نکال دیا جائے تو تمہیں سخت اذیت ہوگی بس اس مثال پر قیاس کر لو کہ وفات نیند اور وفات موت میں کیا فرق ہے۔

سوال نمبر ۵۔ آپ نے فرمایا جو نماز قصداً چھوڑتا ہے وہ حدِ کفر تک پہنچ جاتا ہے کجا کہ اس کا ولی ہونا۔ لیکن ایسے بھی اللہ والے ہیں جن کے کلام میں ایسی باتیں بھی ملتی ہیں جو بظاہر واقعی قابل گرفت ہیں لیکن اگر باریک بینی سے دیکھا جائے تو ان باتوں میں حقیقت نظر آتی ہے ان بزرگوں میں حضرت باہوؒ، حضرت بُلھّے شاہؒ، حضرت خواجہ غلام فریدؒ، حضرت سچل سرمستؒ اِن کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگ آجاتے ہیں۔ مثلاً حضرت خواجہ غلام فریدؒ فرماتے ہیں۔

لکھ کروڑ نماز پڑھیں دے مُلّاں ایویں یار ملن دستور نئیں
جیتیں دل ساجد نہ کریں تیتئیں سجدہ تیڑا منظور نئیں
جا غیروں دل دور کریں پچھے یار ملن کچھ دور نئیں
آکھے غلام فریدا او دل کیڑھا اے جدے وچ عربی ڈھول دا نور نئیں

ایتھیں رب سچے دا حجرا اے کھڑیاں باغ بہاراں ہو
وچے مستیاں وچے مصلّے وچے سجدے ساراں ہو
مکھ مرشد دا کعبہ قبلہ میں نیت نماز گذاراں ہو
سلطان باہو سانوں مرشد ملیا تے آپے لیہیں ساراں نو

اور بھی ایسے کتنے ہی اشعار ہیں۔آپ اس سلسلہ میں کچھ وضاحت فرمائیں گئے تو احسان مند رہوں گا؟

جواب: میری کوشش ہے کہ مسلمانوں میں دین کی تفہیم ہو آپس میں شیر وشکر ہو کر اختلافات بُھلا کر بعینہٖ قرآن شریف اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ایک دوسرے کو آرام پہنچانے کی کوشش کریں اتنی محبت اور اتنا قرب دیں کہ حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس فرمان کے مطابق ہو کہ جسم کے کسی ایک بال کو کھینچا جائے تو سارے جسم کو تکلیف ہو۔پس اس طرح کسی ایک مسلمان کو تکلیف ہو تو دوسرا مسلمان اس کو محسوس کرے۔میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑی عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم میرا اخلاق پکڑو۔اللہ کا اخلاق کائنات سے محبت ہے۔جس طرح اللہ محبت دیکر محبوب سے کوئی توقع نہیں رکھتا پس عارف کو بھی اللہ کے رسولؐ کے فرمان پر عمل کرنا چاہیے اور یہی حاصل عبادت ہے۔اب آپ مندرجہ ذیل اشعار اور ان کی تشریح پر غور وفکر کریں اور اس میں اگر آپکو کوئی بات ایسی نظر آئے جو آپ نہ سمجھ سکیں اور دل قبول نہ کرتا ہو تو مجھے ضرور لکھیں۔

توجو قبلہ رو ہوا کھڑا تو حرم سے آنے لگی صدا
تیرا دِل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

نمازِ زاہداں سجدہ سجود است
نمازِ عاشقاں ترکِ وجود است

لہٰذا حضرت بلھے شاہؒ، حضرت غلام فریدؒ، حضرت سچل سرمستؒ کے جو بھی اشعار ہیں وہ ان کے حسبِ حال ہیں اور سچ ہیں یہ ان کا مقام ہے۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں،

بخدا خبر ندارم چہ نماز می گذارم
کہ تمام شد رکوع کہ امام شد فلانے

صنم محو جمالی اُو نمی دانم کجا رفتم
شدم غرق وصل اُو نمی دانم کجا رفتم

پہلے شرعی اصول عرض کروں کہ ظاہری حواس جب کسی کے معطل ہو جائیں خواہ اسکی وجہ کچھ بھی ہو شریعت اس فرد پر ساقط ہو جاتی ہے مثلاً کسی وجہ سے بیہوش آدمی جتنے عرصے تک بیہوش رہتا ہے نماز پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری بات مجذوب نماز نہیں پڑھتا اور اس پر بھی شریعت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مجذوب کیوں ہوا؟ مقام حیرت میں آ کر اللہ کی راہ میں حواس کھو بیٹھا۔ مجذوب اور پاگل بظاہر یکساں نظر آتے ہیں لیکن پہلا خدا کا مقبول

بندہ اس لیے ہے کہ وہ اللہ کی راہ پر چلتے ہوئے حواس کھو بیٹھا اور دوسرا دنیاوی حالات میں گھر کر یا کسی بیماری میں مبتلا ہو کر حواس کھو بیٹھا تو یہ ہوا مجذوب اور پاگل کا فرق۔

بابا غلام فریدؒ یہ نصیحت فرما رہے ہیں کہ جب تک کسی عارف کے دل میں عشقِ رسولؐ نہیں اس کی کوئی عبادت روزہ نماز وغیرہ مقبول نہیں اور یہ اس حدیث مبارک کے عین مطابق ہے کہ حضور علیہ صلوٰۃ وسلام نے فرمایا کہ جب تک کوئی مسلمان اپنی جان و مال، اولاد، عزت و آبرو وغیرہ سے زیادہ مجھے عزیز نہیں رکھے گا اس کا ایمان مکمل نہیں ہوگا۔

اسی لیے سلطان باہوؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب تک مرشد کامل نہ ملے یہ مقامات طے نہیں ہو سکتے چاہے ساری رات مصلّے پر نماز پڑھتا رہے اور سجدہ کرتا رہے وغیرہ وغیرہ۔ میں تمام انسانوں کی تین قسمیں اس طرح کرتا ہوں۔

۱۔عوام ۲۔خواص ۳۔خاص الخواص

جس طرح ہم اپنی عام زندگی میں غریب، متوسط اور مالدار تین طبقات بناتے ہیں۔

عوام: وہ لوگ ہیں جو رسمی روزہ نماز کرتے ہیں۔ جس طرح ایک عام مزدور تگاری اٹھاتا ہے یا پتھر توڑتا ہے شام کو اپنی دِن بھر کی کمائی وصول کرتا ہے۔

خواص: وہ لوگ ہیں جو کم محنت کرتے ہیں کاروبار، ملازمت یا اسی قسم کے دوسرے ذرائع اختیار کر کے مزدور سے زیادہ کماتے ہیں اور محنت بھی کم کرتے ہیں۔ اور مزدور سے بہتر حالت میں رہتے ہیں۔

خاص الخواص: یہ لوگ بڑے بڑے کاروبار کرتے ہیں لاکھوں، کروڑوں روپے کماتے ہیں اور بظاہر بڑی آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا

ہے کہ ایسا کیوں؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فَضَّلْنَا بَعْضَكُم عَلَى بَعضَ یعنی ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی۔ ایسا کیوں؟ چونکہ تضاد سے توازن ہے اگر اندھیرے کے سامنے اجالا نہ ہو تو روشنی کی کیا قدر ہوگی۔ اچھائی کے سامنے بُرائی نہ ہو تو اچھائی کے کیا معنی! غرض یہ کہ اس قادرِ مطلق کی یہ تمام حکمتیں اور اس کائنات کو اپنے اندازوں کے مطابق چلانا اور ارتقائی منازل طے کراتے ہوئے آخر کار ان سب کو معراج پر پہنچانا مقصود و مطلوب ہے۔ کیونکہ وہ علم کل، عقل کل، حکمت کل، سبب کل اور مالک کل ہے اور ہم ایک جُز ہیں۔ لہٰذا جز کل کے مقابلہ میں ناقصِ ہے۔ پھر لازم ہوا کہ جتنا ہمیں بتایا جائے سکھایا جائے عطا کیا جائے اس پر کاربند ہو جائیں اور کیوں، کیا، کیسے جیسے سوالات کرنا بالکل بے معنی ہیں۔ جب کہ اس عالم مثال میں ہر کسی کے لیے اِس کی حیثیت کے مطابق شواہد اور مشاہدات موجود ہیں۔ اللہ اور بندے کا تعلق حاکم و محکوم، آقا و غلام جیسا سمجھنا چاہیے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ''مانگ میں دیتا ہوں''۔ وہ ضرور دیتا ہے وقت اور حالات کی مناسبت وہ ہی بہتر جاننے والا ہے ہماری عقلِ ناقصِ قیاس نہیں کر سکتی۔ ہم اس بات کو اس طرح سمجھ لیں کہ ایک پانچ سال کا بچہ اپنے والدین سے کوئی کھانے کی چیز مانگتا ہے والدین حسبِ ضرورت اُس کو دے دیتے ہیں وہ اور مانگتا ہے، ضِد کرتا ہے لیکن نہیں دی جاتی۔ ایسا کیوں؟ اس لیے کہ وہ ہضم نہ کر سکے گا اور بیمار ہو جائے گا۔ اُسکی صحت و عافیت اسی میں ہے کہ اُس کی خوراک کے مطابق دیا جائے نہ کہ اس کی مانگ کے مُطابق۔ کائنات کا منتظم اپنے ارادوں کے عین مُطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کہ بندوں کے اندازوں کے مُطابق۔ بس یہ ہی بات بندے اور خدا کے درمیان باعثِ محبت ہے اگر

بندہ اپنا مقام بندگی سمجھ کر اللہ کو حاکم اعلیٰ تصور کرے بلکہ یقین کرے اور اس بات پر ایمان لے آئے تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں رہتا۔ رضا و تسلیم، عاجزی و انکساری، اپنی حقیقت کے پیش نظر صبر و استقامت کے ساتھ اس کی مدد کا طلبگار ہو جائے تو تمام پریشانیاں دور ہو جائیں گی اور سکون میسر آ جائیگا۔ حاصلِ کلام یہ کہ منصورؒ نے انا الحق کہا، سرمست شہید نے لا الہٰ کہا اِلّا اللہ نہ کہا۔ عثمان ہارونیؒ مندر چلے گئے فرمایا۔

گریا بم خریدارم فروشم دین و ایماں را

یعنی اگر جلوہ یار کسی بت میں بھی نظر آ جائے تو اس کے پیر چوم لوں۔ سرمست شہیدؒ کا یہ کہنا کہ میں اِلّا اللہ کیوں کہوں جھوٹ کیوں بولوں۔ میں حالتِ نفی میں ہوں اورنگ زیب نے قتل کا حکم دیا جب گردن تن سے جدا ہوئی تو ہر قطرہ خون سے اِلّا اللہ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ یہ چند بزرگوں کی مثال پیشِ خدمت اس لیے کر رہا ہوں تا کہ آپ کو اہل اللہ کے بلند مقامات کی نشاندہی کراؤں اور ان کے احوال مختصراً بیان کر کے یہ ثابت کروں کہ ہر پھول اپنا جدا رنگ اور جدا خوشبو رکھتا ہے مگر ہیں تو یہ پھول ہی۔ اسی طرح اللہ کے پیارے ولی اور بزرگ جدا جدا رنگ و بو کے مالک ہیں اور ان سب کے مختلف احوال ہیں۔ شاہ بھٹائیؒ اور قلندر شہبازؒ کے احوال اگر آپ نے پڑھے اور سُنے ہوں گے تو یقیناً ایک دوسرے سے مختلف ہونگے۔ تمام بزرگانِ دین اگر چہ اپنے اپنے احوال میں جدا ہیں لیکن مقصدِ حیات سب کے مشترک ہیں وہ اللہ کی مخلوق سے محبت کرتے ہیں اور سب کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں تا کہ انسان اللہ کے فرمانبردار بندے بن جائیں اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم میں سرشار ہو جائیں تا کہ قیامت میں شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔

سوال نمبر ۶۔ اسلام تین باتوں پر مشتمل ہے؟

۱۔ اخلاقیات ۲۔ معاملات ۳۔ عبادات

ان کو تو سقراط، بقراط اور ارسطو جیسے دانش وروں نے پیش کیا تھا۔ حضور کریم ﷺ نے صرف مہر لگادی۔

جواب: سب سے پہلے میں یہ بات واضح کردوں کہ اسلام آپ کی فرمائی گئی تین باتوں پر مشتمل نہیں بلکہ اسلام کے چھ بنیادی ارکان ہیں۔

۱۔کلمہ ۲۔نماز ۳۔زکوٰۃ ۴۔روزہ ۵۔حج ۶۔جہاد

اوران تمام ارکان پر ہمارے ایمان کی بنیاد ایمان مفصل میں بیان ہے،

۱۔ اللہ اوراس کے ملائکہ پر ایمان

۲۔ اللہ کے رسولوں اوراس کی کتابوں پر ایمان

۳۔ یوم آخر یا قیامت کے دن پر ایمان

۴۔ زندگی بعداز موت پر ایمان

۵۔ اچھی بُری تقدیر پر ایمان

اگران تمام باتوں کا قولاً اور عملاً اظہار نہ ہوتو آدمی اسلام پر نہیں سمجھا جائے گا۔ اب رہا آپ کا یہ فرمان کہ سقراط، بقراط اور ارسطو جیسے دانشوروں نے جو کچھ اخلاقیات، معاملات اور عبادات کا تصور پیش کیا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس پر صرف مہر لگادی۔ بڑی عجیب بات ہے کہ افلاطون حضرت موسیٰ ؑ کے زمانے میں تھے۔ اور باقی حضرات بھی

مختلف نظریوں کے ساتھ مختلف ادوار میں اصول وضع کرتے رہے اب میں کہوں گا کہ فلسفے کے دو ہی مکتبِ خیال گزرے ہیں۔

۱۔ مشائیہ

۲۔ اشراقی

مشائین کائنات کی حقیقت پر عقلی سوچ بچار سے بحث کرتے ہیں اور استدلال کے رنگ سے دنیا کی حقیقت کا سراغ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نظر وفکر ان کا عملی سرمایہ ہے اور دماغی ذخیرہ ان کی پونجی ہے۔ دین اور اس کی حکمت کا نہ دماغی اختراع سے کوئی تعلق ہے نہ نظر وفکر اور سوچ بچار سے وہ وجود میں آیا ہے وہ تو ایک خدائی پروگرام ہے جس کا تعلق ایمان باالغیب اور عقیدت اور محبت پر ہے۔ اس لیے مشائیہ کی بنیاد عقلی اور نظری ہے جو کسی طور پر بھی صحیح نہیں کیونکہ عقل کا نقص اور نظر کی فریب کاری کسی کا جزوِ ایمان نہیں بن سکتی۔

دوسرا طبقہ اشراقی فلاسفہ کا ہے جو مشائیہ سے مختلف ہے۔ یہ طبقہ محنت وریاضت اور مجاہدات سے تزکیہ نفس کے اصول پر کاربند ہے جس میں افلاطون بھی شامل ہے۔ اس میں وجدانی کیفیت کا دخل ہے۔ جب کہ ثابت ہے کہ گذشتہ تمام پیغمبروں کے صحیفے باقی نہ رہے تو یہ آپ کے قول کے مطابق سقراط، بقراط کے پیش کردہ اصولوں پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مہر لگا دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب کہ گذشتہ پیغمبروں کے صحیفوں پر اللہ تعالی نے انکے باقی رہنے کی کہیں ضمانت نہیں دی اس لیے وہ اپنی اصل صورت میں باقی نہیں ہیں سوان پر چلنے کا بھی اب کوئی جواز نہیں لیکن حضورؐ کو جب قرآن عطا فرمایا تو اس کی حفاظت کی ذمہ داری بہ ایں الفاظِ قرآن، اِنَّ نَحۡنُ نَزَّلۡنَا وَاِنَّ لَهٗ لَحَافِظُونَ فرما کر

گویا قیامت تک باقی رکھنے کی ضمانت دی نہ صرفِ یہ کہ قرآن بلکہ ہر آیتِ مبارکہ کے لیے یہ فرمایا فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَہ ،یعنی اس کی آیتیں ہم نے مستحکم کر دیں۔تو اس میں کوئی ردو بدل ممکن نہیں۔

سوال نمبر ۷۔مقصدِ اللہ تعالیٰ سے رابطہ پیدا کرنا ہے۔رکوع وسجود ضروری نہیں چاہے ساز بجا کر رابطہ قائم کیا جائے؟

جواب: ایک بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ میں ان باتوں کے کرنے سے خوش ہوتا ہوں اور نہ کرنے سے ناراض۔مثلاً بادشاہ یہ اعلان کرے کہ میں گانے بجانے اور ناچنے سے خوش ہوتا ہوں۔اب اس کے دربار میں جا کر کوئی نماز پڑھنے لگے،سجدے کرنے لگے تو یہ اس کے اعلان کی خلاف ورزی ہوگی یا نہیں؟ مقصد حاکم جو حکم دے اس پر دل وجان سے عمل کرنے پر وہ راضی اور خوش ہوگا اور صورتِ دیگر حکم عدولی سے ناراض اور بے عمل کو سزا دی جائیگی۔جب کہ حاکم اعلیٰ قرآن پاک میں کم وبیش سات سو(۷۰۰) مرتبہ حکم فرماتے ہیں''اَقِیْمُو الصَّلٰوۃ''نماز قائم کرو اور نماز کس طرح پڑھی جائے اس کے پیارے حبیبؐ نے زندگی میں عمل کر کے بتا دیا۔اب کوئی شخص مسجد میں اکتارا لیکر بیٹھ جائے اور کہے میں تو اپنے رب کو راضی کر رہا ہوں تو آپ کے خیال میں کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟ ایسا سوال نہ صِرف مضحکہ خیز ہے بلکہ دین سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔میں دعا کرتا کروں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے(آمین)۔

سوال نمبر ۸۔قرآن میں پانچ وقت نماز دکھائیں؟

جواب: میں یہ کہتا ہوں کہ نماز کس طرح پڑھی جائے یہ بھی قرآن سے ثابت نہیں۔جو چیز ثابت ہی نہیں تو یہ آپ کے حق میں ایک دلیل ہے کہ پڑھی کیوں جائے؟اور دو(۲) تین (۳) کی بھی مشقت کیوں اٹھائی جائے۔تو حضور سنئے نماز فرض ہے۔کافر اور مومن کے درمیان نماز ہی فرق بتاتی ہے اور حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شارع ہونے کی حیثیت سے پانچ ٹائم خود باجماعت نمازیں ادا کر کے ہمیں بتادیا جو آج تک جاری اور ساری ہے۔حضورؐ نے نماز کو آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے اور یہ معراج المومنین ہے اور بس۔

سوال نمبر ۹۔کمیونزم اور سوشلزم انسانوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔جس طرح روس اور چین؟

جواب: کبھی آپ روس اور چین تشریف لے گئے ہیں اور وہاں کا مطالعہ فرمایا ہے؟اگر نہیں تو میں آپ کے سامنے حقائق پیش کرتا ہوں۔اپنی رائے یا تبصرہ پیش کرنے سے پیشتر علامہ اقبال کی کتاب (خیابان اقبال صفحہ ۱۹۳) کی رائے ملاحظہ ہو۔''میرے نزدیک فاشزم، کمیونزم یا زمانہ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔میرے عقیدے کی رو سے صِرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو نبی نوع اِنسان کے لیے ہر نقطہ نگاہ سے موجب نجات ہوسکتی ہے''۔علامہ اقبال اشتراکیت کے باوا آدم کارل مارکس کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ علم و حکمت کی مہرہ بازی یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے دنیا کو اب گوارا پرانے افکار کی نمائش
تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوطِ خمدار کی نمائش مریز و کجدار کی نمائش

دوسری جگہ روس کے نظام پر تبصرہ فرماتے ہیں ،

راس و قلب و جگر گرویدہ خوں
از ضمیرش حرفِ درآید بروں
آن نظامِ کہنہ را برہم زوست
تیز نیشے بررگِ عالم زوست
کردام اندر مقامتش مگر
لا سلاطین، لا کلیسا، لاَ الہٰ

ان کے نزدیک اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں ہی انسان کو ذلّت اور گمراہی کی طرف لے جارہی ہیں۔

ہر دو راجاں ناصبور و ناشکیب
ہر دو یزداں ناشناس آدم فریب
زندگی ایں را خروج آں را خراج
درمیان ایں دو سنگ آدم زجاج

اگر کوئی راہِ نجات ہے تو صرف یہ کہ ،

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطاء جرأتِ کردار

یہی علامہؒ کا نظریہ حیات ہے۔ پہلی حقیقت اب جو میں پیش کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے،

روس میں لکھ پتی افراد کا طبقہ: ۱۹۴۳ء میں روس کے اخبارات میں ''اشترا کی لکھ پتی'' کی دھوم مچی۔ یہ لکھ پتی ایک اجتماعی کھیت کا سربراہ تھا اس کا نام کامریڈ بروائی جی کوف ہے بعد میں معلوم ہوا کہ اس طرح کے اور بہت سے لکھ پتی ہیں اور ان کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک اخباری نامہ نگار ۱۹۵۲ء میں لکھا کہ سوویت چیمبر آف کامرس کے صدر کو سولہ ہزار (۱۶۰۰۰) ماہانہ ملتے ہیں جب کہ وزیروں کی تنخواہ ہیں بیس ہزار (۲۰۰۰۰) روبل اور اکیڈمی آف سائنس کے صدر کی تنخواہ تیس (۳۰۰۰۰) روبل ماہانہ ہے اور جو لوگ لینن پرائز یا اس طرح کا کوئی انعام حاصل کرتے ہیں انہیں دو لاکھ روبل انعام ملتا ہے۔ یہ سب تو پرانی باتیں ہیں، نئی بات یہ ہے کہ اب کارخانے کے ڈائریکٹروں اور منیجروں کو کارخانے کے منافع میں سے حصہ دیا جا رہا ہے اور ڈاریکٹر اور منیجرز زیادہ منافع کمانے کے لیے مزدوروں سے زیادہ کام لیتے اور کم اُجرت دیتے ہیں۔ اس صورتِ حال پر نکتہ چینی کرتے ہوئے چین کا اخبار پیکنگ ریویو اپنے ۱۷ جولائی ۱۹۶۴ء کے شمارے میں صفحہ ۱۴ پر لکھتا ہے۔

''بونس کی پالیسی کے نتیجے میں آمدنیوں میں تفاوت اور بڑھ گیا ہے۔ مفاد پرست طبقہ کی آمدن عام مزدور اور کِسان کی آمدنی سے ایک سو گنا زیادہ تک ہے۔ تنخواہوں میں یہ فرق بڑھ رہا ہے کم نہیں ہوا

ہے۔''

امریکہ کے بارے میں روسی اعداد وشمار یہ ہیں کہ وہاں تنخواہ کا عام فرق ایک اور اکتیس کا ہے لیکن خود روس سے جو اعداد وشمار ابھی جاری ہوئے ہیں اس میں تسلیم کیا گیا ہے کہ عام ماہانہ تنخواہ میں ایک اور تیس کا فرق موجود ہے۔ بونس اور دوسری آمدنیوں کو شامل کیا جائے تو یہ فرق اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

اب آیئے ذرا مزدور کو دیکھیں! مزدوروں کی روٹی سرکاری لنگر خانوں سے ملتی ہے۔ اس کی حالت روس کے ہی وزیر اعظم کوسیجین کی زبانی سنئے جو انہوں نے کمیونسٹ پارٹی کی بائیسویں سالگرہ کے موقع پر کہا،

''سرکاری طعام خانوں میں بڑی کوتاہیاں ہیں۔ کینٹین اور ریسٹورنٹ کے اسٹاف کو اشیاء کی کمی کا بہانہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے باوجود کھانا بالعموم بے مزہ اور بے ذائقہ ہوتا ہے، سروس بھی معیاری نہیں ہیں، عوام کے لیے کھانے کا بندوبست کرنے کے معاملے میں مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ تمام کارخانوں اور تعمیراتی کاموں کی جگہوں پر، حکومت کے زرعی فارم اور تعلیمی اداروں میں گرم کھانا ملنا چاہیے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مزدور کو گرم کھانا تک نصیب نہیں اور وہ نہ صرف ناقص بلکہ ٹھنڈا کھانا زہر مار کرنے پر مجبور ہے۔

آمدنی کم چیزیں مہنگی: آج بھی روس کا مزدور امریکہ اور دوسرے سرمایہ دار ملکوں کے مزدوروں کے مقابلے میں بہت کم آمدنی رکھتا ہے۔ ۱۹۵۰ء میں ایک روسی مزدور کو ایک عام امریکی مزدور کی آمدنی کا ۱۲ سے ۱۶ فیصد تک کا حصہ حاصل ہوتا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں روسی

مزدور جو اُجرت لیتا تھا امریکی مزدور کو اس سے پانچ چھ گنا تک زائد اُجرت ملتی تھی۔ کم اُجرت اور کم تنخواہ کے ساتھ سوشلسٹ ملکوں کے مزدوروں کا ایک اور اہم مسئلہ ضروریات کی اشیاء کی مہنگائی ہے۔ سوشلسٹ ملکوں میں قومی آمدنی عام ضروریات کی چیزیں بنانے کے بجائے طرح طرح کے ہتھیار بنانے اور بیرونی ملکوں میں سیاسی پروپیگنڈے اور سیاسی ریشہ دوانیاں اور سازشیں کرنے پر خرچ ہوتی ہے۔ مزدور محنت کر کے جو زرمبادلہ کماتے ہیں وہ کمیونسٹ لٹریچر چھاپنے اور بیرونی ملکوں میں اسے مفت تقسیم کرنے پر ضائع کر دیا جاتا ہے۔ اگر آپ یہ معلوم کریں کہ کھانے پینے کی یا عام ضرورت کی ایک چیز کو حاصل کرنے کے لیے جو قیمت دینی پڑتی ہے وہ کتنے گھنٹے یا کتنے دِن کی اجرت ہوتی ہے تو اس حساب سے معلوم ہوگا کہ ایک پونڈ گوشت کے حصول کے لیے ماسکو کے ایک مزدور کو چار گنا زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ ایک پونڈ روٹی کے لیے 1/2 گنا زیادہ ایک درجن انڈوں کے لیے آٹھ گنا اور بیس سگریٹ کے ایک پیکٹ کے لیے روسی مزدور کو امریکی مزدور سے چار گنا زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ روسی معاشرہ کا مزدور اپنے لیے ایک نیا جوتا بھی بہ مشکل خرید سکتا ہے۔

مزدور خاندانوں کی تعلیم: پہلے روس میں تعلیم مفت تھی لیکن ۲ اکتوبر ۱۹۴۰ء کے بعد اعلیٰ تعلیم پر فیس عائد کر دی گئی۔ یہ اتنی بھاری تھیں کہ ایک ماہ کے اندر اندر چھ لاکھ طلباء نے اسکول چھوڑ دیا۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں مزدوروں کی اولادوں کو داخلہ مشکل سے ملتا ہے۔ صنعتی کالجوں میں داخلہ لینے والوں کی تعداد ۴۵٫۴ فیصد انتظامیہ کے اعلیٰ افسروں اور ماہرین کے لڑکے ہیں۔ ہمارے آزاد معاشرہ میں یہ تو ممکن ہے کہ غریب ماں باپ اپنا

پیٹ کاٹ کر یا کہیں سے وظیفہ یا امداد لیکر اپنے بچوں کو تعلیم دلوائیں لیکن روس میں بچوں کو اعلیٰ تعلیم دینا یا نہ دینا سراسر حکومت کی مرضی پر موقوف ہے۔ بچہ کسی حد تک اور کسی نوعیت کی تعلیم حاصل کرے اس میں نہ والدین کو خواہش کو دخل ہے اور نہ بچے کی مرضی اور اہلیت کو۔ افسر لوگ اپنی سہولت اور ضروریات کے لحاظ سے یہ فیصلہ کرتے ہیں اور عام طور پر وہ سفارشوں کی وجہ سے بڑے لوگوں کے لڑکوں کو داخلہ دینے کے لیے مزدوروں کے لڑکوں کو داخلہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور ان کے انکار کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی اپنے وسائل سے تعلیم پا سکے۔

روس میں مزدور بیرکوں میں رہتے ہیں اور ان کے غُسل خانے تک مشترکہ ہیں۔ جہاں نہانے کے لیے لمبی لمبی قطاروں میں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ یہی صورت حال چین میں بھی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کارخانوں کی ساری آمدنی طیارے، راکٹ اور اسلحہ بنانے میں خرچ ہو رہی ہے یا اعلیٰ افسروں کا طبقہ مزے اڑا رہا ہے۔ روس اور چین کے بجٹ میں سب سے کم رقم مکانوں کی تعمیر کے لیے رکھی گئی ہے۔ روس کے سرکاری ذرائع کے اعداد و شمار کے مُطابق اشتراکی انقلاب سے پہلے ۱۹۱۳ء میں فی کس شہری مکانی جگہ ۲ء۷ مربع میٹر تھی۔ ۱۹۵۰ء میں بھی یہ ۲ء۷ مربع میٹر تھی اور ۱۹۵۷ء میں ۷ء۷ مربع میٹر ہوئی اس کے معنی یہ ہیں کہ رہائشی سہولتوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ سوویت روس میں ایک مزدور کر رہنے کے لیے جو جگہ دی جاتی ہے وہ بس اس جگہ سے دوگنی ہے جتنی ایک شخص کو قبر میں حاصلِ ہوتی ہے۔ چنانچہ ۱۹۶۱ء میں روس کے وزیر اعظم خرشچیف نے تسلیم کیا کہ رہائش کی جگہ کی قِلت کا مسئلہ آج بھی شدید ہے اور موجود ہے۔ روس اور چین پاکستان سے بہت بڑے بہت ترقی

یافتہ اور بہت دولت مند ملک ہیں پھر بھی یہ بات دعوے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ موجودہ ترقی پزیر حالات میں کراچی کے مزدوروں کا معیار زندگی روس اور چین کے مزدور کو حاصل نہیں۔ جہاں تک چین کا تعلق ہے یہ حقیقت کس سے پوشیدہ نہیں کہ وہاں مزدور پیوند لگے کپڑوں میں نظر آتے ہیں اور انہیں ثقافتی انقلاف کے نام پر آٹھ گھنٹے کے بجائے بارہ گھنٹے کام پر مدعو کیا جا رہا ہے۔ اجرت بھی نہایت کم دی جاتی ہے۔ وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مزدوروں کو اپنے ملک کے لیے اور اپنی آئندہ نسل کے لیے ایثار سے کام لینا چاہیے موٹا جھوٹا کھا کر پھٹا پرانا پہن کر گزارہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ ماؤزے تنگ کی تعلیم ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ روس میں ۷۹٪ افراد کو ۲۴۰ روبل ماہانہ سے کم ملتے ہیں اور باقی ۲۱٪ فیصد افراد مزے کرتے ہیں۔ پس سوشلزم کے ڈھنڈروچی سب سے زیادہ اس بات کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ سوشلزم کی وجہ سے ملک کی اقتصادی اور صنعتی ترقی ہوتی ہے اس کے نتیجے میں مزدور کو فائدہ ہوتا ہے لیکن اس پروپیگنڈے سے صِرف وہی لوگ متاثر ہو سکتے ہیں جو دنیا کے حالات سے ناواقف ہیں ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ سوشلزم نے انڈونیشیا کو کِس طرح معاشی طور پر تباہ کیا۔ برما میں سوشلزم کی وجہ سے جو غربت اور ہلاکت آئی ہے وہ اب کوئی راز نہیں۔

میرے خیال میں مذکورہ بالا جواب کا آپ ایمان داری سے تجزیہ کریں گے تو اس حقیقت سے آشنا ہو کر سب ازم معہ جمہورت جس کا کہیں وجود نہیں دھوکہ ہیں فریب ہیں۔ اگر آپ اس سے مطمئن نہ ہوں تو میں آپ کو مزید ثبوت فراہم کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔

سوال نمبر۱۰: ہر مذہب برائی سے روکتا ہے اور اچھائی کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام میں مزید خصوصیات ہیں تو بتائیں۔

جواب: یہ بات میں اس طرح سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ برائی اور اچھائی کا آپ کے خیال میں کوئی معیار تو ضرور ہوگا۔ میں بلاخوف تردّد یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ انسان اپنے لیے ایسے قوانین مرتب نہیں کرسکتا اور جب قانون مرتب نہیں کرسکتا تو اچھائی یا برائی کا معیار قانونِ خداوندی سے ہی لینا پڑے گا۔ پچھلے تمام صحیفے منسوخ ہوکر آخری کتاب قرآن ٹھہری۔ اس میں انسانی زندگی کے ہر شعبے کے واسطے رہنما اصول بتا دیئے گئے۔ کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ ہم ان بتائے ہوئے رہنما اصولوں پر اپنی پوری زندگی گزار دیں۔ شک وشبہ سے بالاتر ہوکر اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری میں لگ جائیں۔ تاکہ ہماری آخرت اور دنیا خراب ہونے سے بچ جائے۔ اسلام میں نہ صرف کوئی ایک خصوصیت گنائی جاسکتی ہے بلکہ یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس میں تمام مذاہب کے صحیفوں سے ارفع واعلیٰ اور عمل کرنے میں آسان خصوصیات موجود ہیں جو کہ تلاش کرنے میں ہر شعبہ زندگی میں نمایاں نظر آتی ہیں۔

سوال نمبر۱۱۔ اسلام میں تمام باتیں یہودیوں کی ہیں کوئی نئی بات نہیں؟

جواب: بڑے افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان جو زبان HEBRO عبرانی سے ناواقف، توریت جو کبھی نہ دیکھی ہو، محض خیالی گھوڑے دوڑاتے ہوئے اسلام کے مقابلے میں یہودیوں کے دین کو مکمل دین سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جس نے توریت موسیٰ علیہ

السلام کو دی اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام کو دی، وہ فرماتا ہے ،

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الاِسْلَام

بھلا جس دِین کو رب کائنات پسند فرمائیں اور آپ اس کے متعلق دین یہود کو پسند فرمائیں بڑی عجیب سی بات ہے نہ یہ کہ صرف اللہ تبارک تعالیٰ نے دینِ اسلام کو پسند فرمایا بلکہ یہ کہہ کر،

اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُم وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی

یعنی میں نے دین کو ہر لحاظ سے پسند کیا تو گویا میں نے یہ دین دیکر تمام نعمتوں سے نواز دیا۔

سوال نمبر۱۲۔ سب قوموں کے امیر موجود ہیں مثلاً یہودی اور عیسائی قوموں کے پادری اور پوپ، اسلام میں امیر موجود نہیں اور امیر کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں؟

جواب: سوال کا پس منظر اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ سائل عبادت سے فرار حاصل کرنے لیے جواز کا متلاشی ہے۔ ورنہ جب ہم نماز باجماعت پڑھتے ہیں ہمارا امام اس وقت امیر ہوتا ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں میں جو عبادات کی سروسز ہوتی ہیں اِن کے وہ امیر ہوتے ہیں۔ حج کے لیے اگر ہم جاتے ہیں تو ہم امیر مقرر کر لیتے ہیں۔ تبلیغ اور اشاعتِ دین کے لیے نکلتے ہیں تو بھی امیر مقرر کر لیتے ہیں۔ اسی طرح جہاد کے لیے ہمارا کمانڈر ہمارا امیر ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ معیار امیر یہود اور نصاریٰ میں کیا ہے؟ جب کہ ہمارے یہاں امیر کا معیار اللہ تعالی اور رسولؐ کی طرف سے مقرر کردہ ہے کہ امام

میں یہ خصوصیت ہونی چاہیے۔ بہ تشریح موجود ہیں اب یہ کہاں سے آپ نے معلوم کرلیا کہ بغیر امیر کے کوئی عبادت مقبول نہیں جب کہ ہم تنہا بھی نماز پڑھ لیتے ہیں اور تنہا حج کو بھی چلے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلاّ لْبَلَاغ

قارئین کرام!

یہ دو (۲) فتوے ان مکاتب خیال کے ہیں جو غیر اللہ سے مدد مانگنے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ اور ایسے کسی شخص کو جو کسی انسان سے مدد مانگ رہا ہو مشرک کہتے ہیں۔

قارئین محترم!

ان دو (۲) فتووں کو غور سے ملاحظہ فرمائیں اور ہمصداق ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور کے قول، فعل میں تضاد پر ماتم کریں اور انکے لیے دُعا کریں خدا کو ہدایت دیکر صحیح تفہیم کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

کِتابیات

۱۔ قرانِ حکیم (مختلف مترا جم)

۲۔ تفاسیر:

تفسیر حسینی (فخر العماء مولوی فخر الدین صاحب)

تفسیر ابن کثیر (علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ)

کنز الایمان (اعلیٰ حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ)

۳۔ احادیث مبارکہ (صحاح، جوامع، ساتیہ)

۴۔ بہارِ شریعت (جناب مولانا امجد علی صاحبؒ)

۵۔ مشکواۃ شریف

۶۔ فیوض الحرمین (حضرت شاہ ولی اللہؒ)

۷۔ حجۃ اللہ البالغہ (حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ)

۸۔ کشف المحجوب (حضرت داتا گنج بخشؒ)

۹۔ انبیائے قرآن (محمد جمیل احمد صاحب)

۱۰۔ مقیاس النّور (علامہ محمد عمر صاحب)

۱۱۔ البرہان المؤید (شیخ احمد کبیر رفاعی الحسینی)

۱۲۔ صلواۃ وسلام (مولانا سیّد محمد ہاشم فاضل شمسی)

۱۳۔ PROPHECIES OF THE HOLY QURAN BY ALAKBAR

۱۴۔ کتاب الرّوح (علامہ ابن قیمؒ)

۱۵۔ حقیقتِ شرک (ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی)

۱۶۔ تقویۃ الایمان (علامہ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ)